ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان

3
مارچ ۲۰۱۶ء
جمادی الاوّل ۱۴۳۷ھ

- پنجاب اسمبلی کا تحفظِ خواتین بل
- اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں قادیانی ڈاکٹر عبد السّلام کی تصاویر؟
- مسلکی منافرت پھیلانے میں ''را'' کا گھناؤنا کردار
- شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ
- وحدتِ امت
- معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط

حضرت اقدس قطب دوراں خواجہ خواجگان شیخ المشائخ و امام الاولیاء

مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عظیم الشان

تقریب سعید اختتام صحیح بخاری شریف

زیر صدارت

مخدوم العلماء، فرزند خواجہ خواجگان

حضرت مولانا صاحبزادہ

عزیز احمد صاحب

دامت برکاتہم العالیہ

نائب امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

بمقام

جامعہ عربیہ سعدیہ

خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ

کندیاں ضلع میانوالی

تاریخ

3 اپریل 2016ء

24 جمادی الثانی 1437ھ

بروز اتوار بعد نماز ظہر ان شاء اللہ

جس میں

علماء کرام مشائخ عظام خطباء قراء و شعراء اسلام تشریف لا رہے ہیں

تمام اہل اسلام سے جوق در جوق شرکت کی اپیل ہے

منجانب: انتظامیہ جامعہ سعدیہ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں میانوالی

0300-8999668

0333-6836228

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 27 شمارہ 3 جمادی الاولیٰ 1437ھ / مارچ 2016ء

Regd.M.NO.32

فیضانِ نظر
حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی
حضرت پیرجی امیرِ شریعت سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com
محمد نعمان سنجرانی

تزئین
محمد مزمل حمید

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد
0300-7345095

تشکیل

دل کی بات:	پنجاب اسمبلی کا تحفۂ خواتین بل	سید محمد کفیل بخاری	2
	عبداللطیف خالد چیمہ کی دہشت گردی کے مقدمے سے بریت		
شذرہ:	اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کی تصاویر؟	عبداللطیف خالد چیمہ	3
یادِ رفتگان:	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ	سید محمد کفیل بخاری	5
//	فدائے احرار..... ماسٹر غلام یٰسین مرحوم	مولانا تنویر الحسن احرار	7
افکار:	کیا کوئی شریف عورت پولیس کو گھر بلا کر اپنا شوہر اس کے حوالے کرے گی؟	غلام اکبر	9
//	رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں!	اوریا مقبول جان	10
//	مسلکی منافرت پھیلانے میں "را" کا گھناؤنا کردار	ریاض احمد چودھری	13
دین و دانش:	معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط	مولانا زاہد الراشدی	15
//	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل وانصاف	مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	17
//	گناہوں سے توبہ کی فضیلت اور اجر وثواب	امام ابوحامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ	21
//	معلمِ قرآن	شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ	25
//	کھانے کے آداب	مولانا عابد الرحمٰن صدیقی	26
ادب:	حمد باری تعالیٰ	محمد سلمان قریشی	30
خطاب:	وحدت اُمت (قسط اوّل)	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	31
انٹرویو:	عمرِ رفتہ کی چند شیریں یادیں مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ سے ایک یادگار تحریری مکالمہ	محمد احمد حافظ	39
مطالعۂ قادیانیت:	قادیانی چناب نگر میں قیمتی پلاٹ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں!	منصور اصغر راجہ	51
ماضی کے جھروکوں سے:	امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ مجلس احرارِ اسلام..... شاہ جی کی زندہ تحریک (آخری قسط)	مولانا حافظ عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ	53
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	62

زرِ تعاون سالانہ
اندرونِ ملک ——— -/200 روپے
بیرونِ ملک ——— -/4000 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت
بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100
بینک کوڈ: 0278 یو بی ایل ایم اے جناح روڈ، چوک ملتان

رابطہ
دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961
www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات		سید محمد کفیل بخاری

پنجاب اسمبلی کا تحفظِ خواتین بل

۲۴ر فروری ۲۰۱۶ کو پنجاب اسمبلی نے ''تحفظ خواتین'' کے عنوان سے ایک ایسا مضحکہ خیز بل منظور کیا جو اس وقت میڈیا پر موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اخباری تفصیلات کے مطابق خواتین پر تشدد کرنے والے مردوں کو ٹریکنگ کڑے لگائے جائیں گے اور کڑے اتارنے پر سزا دی جائے گی۔ خواتین پر گھریلو تشدد، معاشی استحصال، جذباتی، نفسیاتی، بدکلامی اور سائبر کرائمز قابل تعزیر جرائم ہوں گے۔ مرد کو ۲ر دن کے لیے گھر سے نکالا جا سکے گا، خواتین کے تحفظ کے لیے شیلٹر ہومز بنائے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ بل کے حوالے سے بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے۔ ہماری دانست میں خواتین پر تشدد کا اصل سبب یہاں کا جاگیردارانہ نظام ہے جس کی جڑوں کو ختم کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ ''ونی'' قرآن سے شادی کی رسمیں اور بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا ظالمانہ جاگیرداری نظام کا حصہ ہے۔ پنجاب اسمبلی نے اس بل کے ذریعے گنگا ہی الٹی بہا دی۔

ہمارا دین، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت اور سماجی و مذہبی قدریں ہمارے خاندانی نظام میں ہی محفوظ ہیں۔ جسے تباہ کرنا مغرب کا قدیم ایجنڈہ ہے اور مذکورہ بل اسی ایجنڈے کا حصہ ہے، اگر عدالتی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے اور عوام میں تعلیم و تربیت کے ذریعے شعور بیدار کرنے کی محنت کی جائے تو ایسے لایعنی بل کی ضرورت ہی نہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ عالمی استعمار نے بنا بنایا بل پنجاب حکومت کو ای میل کیا جسے ارکان نے بغیر پڑھے، سوچے سمجھے اسمبلی میں پاس کر لیا۔ تقلید مغرب کی یہی رفتار رہی تو خواتین کے مطالبے پر آئندہ مردوں کو اپنی جنس تبدیل کرنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ٹریکنگ کڑے، بنیادی انسانی حقوق کو پامال کرنے اور ریاست کے شہریوں کی پرائیویٹ لائف میں بے جا مداخلت ہے۔ یہ بل قرآن و سنت اور ہماری تہذیبی قدروں کے بھی خلاف ہے۔ اس وقت جب کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ آخری مرحلے میں ہے یہ سیکولر فاشسٹوں کا وطنِ عزیز کی نظریاتی اساس پر بڑا حملہ ہے۔ موجودہ حکمران ایسے اقدامات کے ذریعے مغرب کو اپنے سیکولر، لبرل اور روشن خیال ہونے کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ کیا اس طرح وہ اپنے اقتدار کو طول دے سکیں گے؟ خدارا، کچھ تو سوچیں۔

جناب عبداللطیف خالد چیمہ کی دہشت گردی کے مقدمے سے بریت:

مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ کو انسداد دہشت گردی کی عدالت نمبر 1 ملتان کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جناب محمد اکرم نے ATA-9 کے مقدمہ 18ر فروری 2015ء جمعرات کو باعزت طور پر بری کر دیا ہے۔ عبداللطیف خالد چیمہ کی طرف سے ممتاز قانون دان محمود احمد خان غوری ایڈووکیٹ نے پیروی کی۔ اُن پر الزام تھا کہ انھوں نے 8ر مئی 2015ء مرکزی مسجد عثمانیہ، چیچہ وطنی میں قابلِ اعتراض تقریر کی تھی جس کو استغاثہ عدالت میں ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ عبد اللطیف خالد چیمہ عدالت سے بری ہونے کے بعد مجلس احرارِ اسلام پاکستان کے مرکزی دفتر دارِ بنی ہاشم پہنچے تو اُن کا پُر جوش خیر مقدم کیا گیا۔ حضرت امیرِ مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ عدالت کے فیصلے سے ثابت ہو گیا کہ عدالتی آزاد ہیں، انھوں نے کہا کہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان فرقہ واریت اور نفرت انگیز کارروائیوں پر یقین نہیں رکھتی، انھوں نے کہا کہ عبداللطیف خالد چیمہ کی عدالت سے بریت یہ ثابت کرتی ہے کہ مجلس احرارِ اسلام اور تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت پُر امن اور آئینی سرگرمیوں پر یقین رکھتی ہیں۔

عبداللطیف خالد چیمہ شذرہ

اسلام آباد کے تعلیمی اداروں میں قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کی تصاویر؟

آئین کی اسلامی دفعات اور ملک کی نظریاتی اساس کے خلاف مقتدر حلقے مسلسل ایسے اقدامات کر رہے جن سے وطنِ عزیز کی نظریاتی سرحدوں کے منہدم ہونے کے خطرات روز بہ روز بڑھتے جا رہے ہیں۔

تازہ اطلاعات کے مطابق آنجہانی قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کی تصاویر اسلام آباد کے ماڈل سکولز میں آویزاں کر دی گئی ہیں اور تصویر کے ساتھ یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ ''پہلے پاکستانی مسلمان سائنس دان ہیں جنھوں نے نوبل انعام حاصل کیا''۔ تصویر کے نیچے یہ انگریزی عبارت درج ہے:

abdussalam.jpg not found.

ڈاکٹر عبدالسلام سکّہ بند قادیانی تھا۔ آئینِ پاکستان کی رُو سے قادیانی مسلمان نہیں اور ریکارڈ کے مطابق ڈاکٹر عبدالسلام نے کبھی بھی اپنے قادیانی ہونے کا انکار نہیں کیا۔ البتہ ایسا ضرور ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے سرکاری سطح پر ایک دعوت نامے کے جواب میں کہا تھا کہ: ''میں ایسے لعنتی ملک پر قدم نہیں رکھنا چاہتا جہاں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہو''۔

علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ: ''قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں''۔ لیکن اب تو جناب! قادیانیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اگر اکھنڈ بھارت کے حامی اور پاکستان کے ایٹمی راز دشمن کو پہنچانے والے ''ہیروز'' ٹھہرائے جائیں گے تو پھر وفادار کون ہے؟ اس لیے نسلِ نَو کے اذہان کو کفر و الحاد سے آلودہ نہ کیا جائے کہ یہ اقبال کے شاہین اور ہمارا مستقبل ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو ۱۰ ردسمبر ۱۹۷۹ء کو نوبل پرائز ملا۔ قادیانی جماعت کے ترجمان ''الفضل'' نے لکھا تھا کہ: ''جب انھیں نوبل انعام کی خبر ملی تو وہ فوراً اپنی عبادت گاہ میں گئے اور اپنے متعلق مرزا قادیانی کی پیشین گوئی پر اظہارِ تشکر کیا''۔

۱۰ ستمبر ۱۹۷۴ء کو ڈاکٹر عبدالسلام نے وزیر اعظم کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کیا، جو آج بھی سرکار کے ریکارڈ کا حصہ ہے۔ اس میں ڈاکٹر عبدالسلام نے کہا کہ: ''آپ جانتے ہیں کہ میں احمدیہ (قادیانی) فرقے کا ایک رکن ہوں، حال ہی میں قومی اسمبلی نے احمدیوں کے متعلق جو آئینی ترمیم منظور کی ہے مجھے اس سے زبردست اختلاف ہے۔ کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے، کوئی شخص خالق

اور مخلوق کے تعلق میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا لیکن اب جب کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر عملدرآمد بھی ہو چکا ہے تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس حکومت سے قطعِ تعلق کرلوں جس نے ایسا قانون منظور کیا ہے۔ اب میرا ایسے ملک کے ساتھ تعلق واجبی سا ہوگا جہاں میرے فرقہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہو''۔

فروری ۱۹۸۷ء ڈاکٹر عبدالسلام نے امریکی سینٹ کے ارکان کو ایک خط لکھا کہ آپ پاکستان پر دباؤ ڈالیں اور اقتصادی امداد، ہمارے خلاف کیے گئے اقدامات کی واپسی سے مشروط کریں۔

وطنِ عزیز پاکستان کے بارے میں اسی عبدالسلام نے ''مسٹر بھٹو کے دور میں'' ایک سائنسی کانفرنس میں شرکت کے لیے بھیجا گیا دعوت نامہ ان ریمارکس کے ساتھ واپس وزیرِ اعظم سیکرٹیریٹ کو بھیج دیا کہ ''میں اس لعنتی ملک میں قدم نہیں رکھنا چاہتا جب تک آئین میں کی گئی ترمیم واپس نہ لی جائے''۔ (ہفت روزہ چٹان لاہور، جون ۱۹۸۶ء۔ شمارہ: ۲۲)

ایک میڈیا رپورٹ کے مطابق امریکی ذمہ داران کی تجویز ہے کہ طلباء میں سائنس کا رجحان پیدا کرنے کی خاطر مسلم سائنس دانوں کا تعارف عام کیا جائے اور اس حوالے وہ ماضی کے مسلم سائنس دانوں کی بجائے قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کا نام تجویز کررہے ہیں۔ پاکستان پر اس حوالے سے بھی دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ پاکستانی مسلم سائنس دان کے طور پر ڈاکٹر عبدالسلام کی خدمات کو قومی تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے اور اس میں یہ بات بھی لائی جارہی کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا نام بلیک لسٹ کیا جائے۔ ایٹم بم یا میزائل کے میدان میں پاکستان کی ترقی کو ڈسکس نہ کیا جائے۔

برطانیہ کے ایک انٹرنیٹ اخبار ''لندن پوسٹ'' نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی امریکہ کو مخبری کی، اس وقت کے پاکستانی وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ڈاکٹر عبدالسلام کے لیبارٹریز میں داخلہ پر پابندی لگا دی تھی۔ چونکہ وزیرِ اعظم کو اطلاع ملی تھی کہ یہ شخص ایٹمی پروگرام کی مخبری کررہا ہے۔ اسی طرح معروف صحافی اور سابق بیوروکریٹ زاہد ملک نے اپنی کتاب ''ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اسلامی بم'' میں سابق وزیرِ خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان کے حوالے سے لکھا کہ:

''انھیں امریکہ میں امریکیوں نے پاکستانی ایٹم بم کا ماڈل دکھایا اور پوچھا کہ آپ کس طرح اس سے انکار کررہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہ باہر نکلے تو ڈاکٹر عبدالسلام کا ریڈور میں جارہے تھے اور یہ ماڈل انھی کا فراہم کردہ تھا''۔

چند برس قبل اس حوالے سے ایک صحافی نے صاحبزادہ یعقوب علی خان سے سوال کیا تو ان کا جواب تھا:

''میں نے کبھی اس کی تردید نہیں کی، اس لیے آپ کا سوال کرنا ہی غلط ہے''۔

اندریں حالات ہم وزارتِ تعلیم اور اعلیٰ حکام سے درخواست کریں گے کہ وہ پاکستان کے وفاداروں اور پاکستان کے دشمنوں میں فرق ملحوظ رکھے۔ اس امر کی تحقیق بھی ہونی چاہیے کہ غیر مسلم قادیانی ڈاکٹر عبدالسلام کو کس طرح اور کس نے بطورِ مسلمان سائنس دان پیش کرنے کی جسارت کی؟

سید محمد کفیل بخاری

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ

جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث استاذ العلماء، حضرت مولانا محمد صدیق ۹؍جمادی الاوّل ۱۴۳۷ھ/ ۱۸؍فروری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات ملتان میں انتقال فرما گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ حقیقی معنوں میں عالم باعمل اور اتباعِ سنت کا نمونہ تھے۔ ان کے وجود سے تقویٰ وللّٰہیت کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ وہ عظیم محدث وفقیہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عمر اور ہم درس تھے۔ ۱۹۴۴ء میں یہ دونوں بزرگ خیر المدارس جالندھر میں حصولِ تعلیم کے لیے داخل ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد خیر المدارس ملتان میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ انھوں نے اپنے مربی واستاذ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ کی فرماں برداری اور مادرِ علمی سے وفاداری کی عظیم مثال قائم کی۔ وہ خیر المدارس میں داخل ہوئے تو پھر یہیں عمر تمام کردی۔ ان کا جنازہ بھی خیر المدارس سے ہی اٹھا۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر خیر المدارس میں ہی ہمیشہ کے لے مقیم ہوگئے تھے۔ انھوں نے کم وبیش ساٹھ سال علوم قرآن وحدیث کا درس دیا۔ مولانا ایک طویل عرصہ جامعہ خیر المدارس کی مسجد میں بعد نمازِ فجر درس قرآن ارشاد فرماتے رہے جس سے سینکڑوں مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی۔ حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ بڑی نسبت والے بزرگ تھے۔ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے داماد تھے۔ انھوں نے اس نسبت کے لحاظ کا حق ادا کیا اور ہمیشہ اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت تھی اور حضرت امیر شریعت بھی آپ سے بہت محبت وشفقت فرماتے۔ مولانا اپنے دروس اور نجی مجالس میں طلباء کو اکثر ان کے واقعات سناتے۔ خانوادۂ امیر شریعت سے بہت محبت فرماتے۔

ابنِ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ، مولانا کے شاگرد رشید تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب کبھی کسی مسئلے میں رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو مولانا سید عطاء المحسن بخاری سیدھے مولانا کے ہاں حاضر ہوجاتے۔ فرماتے کہ میری خوش قسمتی ہے کہ میرے استاذ موجود ہیں۔ اپنی اصلاح ورہنمائی کے لیے مجھے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ میری زندگی میں اگر مولانا محمد صدیق جیسا شفیق، بارعب اور باکردار استاذ نہ آتا تو آج میں جو کچھ ہوں ایسا نہ ہوتا۔ مولانا محمد صدیق نے اپنی اولاد کی طرح مجھے پڑھایا، نگرانی اور تربیت کی۔ مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ مرض الوفات میں تھے کہ حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ نشتر ہسپتال میں ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ دعاءِ صحت بھی کی اور شاہ جی کی درخواست پر انھیں دم بھی کیا۔ پھر شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ نے درخواست کی کہ میری وصیت ہے کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں گے۔ چنانچہ ۱۳؍نومبر ۱۹۹۹ء کو حضرت

شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی نماز جنازہ حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ نے ہی پڑھائی۔

چند سال قبل بعض تاریخی مسائل کے حوالے سے چند ناعاقبت اندیشوں نے ابناء امیر شریعت پر ناجائز تنقید کے نشتر چلائے۔ جھوٹ، تہمت اور دجل و تلبیس کا بازار گرم کیا تو ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم جامعہ خیرالمدارس میں حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری، حضرت مفتی عبدالستار رحمتہ اللہ علیہ، مولانا محمد ازہر، راقم الحروف اور کچھ دیگر حضرات موجود تھے۔ کو مولانا سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ میرے استاد اور بزرگ ہیں۔ میں آپ کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ اپنا عقیدہ و مسلک آپ کے سامنے عرض کروں۔ اگر غلط ہو تو اصلاح فرمادیں، سزادیں تو قبول کروں گا اور صحیح ہو تو میرے لیے استقامت کی دعا فرمادیں۔ مولانا سید عطاء المہیمن بخاری نے عرض کی کہ:

''اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں اور حادثہ کربلاء کے حوالے سے میرا وہی مسلک ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ میں اکابر علماء دیوبند خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ کے مسلک پر کاربند ہوں۔ میں اپنے اسلاف کا مقلد اور ان کے مؤقف پر قائم ہوں۔ حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کے فتویٰ پر عمل پیرا ہوں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور تمام اہل بیت کی محبت کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہوں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میرے ایمان کا حصہ ہیں اور یزید تاریخ کا حصہ ہے۔ میں ایمان کو تاریخ پر ترجیح دیتا ہوں''۔

حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مفتی عبدالستار رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ صحیح مسلک پر ہیں اور یہی ہمارے اسلاف کا موقف و مسلک ہے۔ اس کے بعد دونوں بزرگوں نے دعا فرمائی۔ مولانا سید عطاء المہیمن بخاری جب واپس جانے لگے تو حضرت مولانا محمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ انھیں دروازے تک چھوڑنے آئے اور فرطِ جذبات میں ان کے جوتے سیدھے کر دیے۔ حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے، شاہ صاحب نے عرض کیا حضرت مجھ گنہگار کے ساتھ یہ آپ نے کیا کیا؟ میں تو آپ کے جوتوں میں بیٹھنے کے قابل ہوں، فرمایا: آپ آلِ رسول ہیں۔ اللہ اللہ! یہ بے نفسی، عاجزی، انکساری اور چھوٹوں پر اتنی محبت و شفقت اب کہاں۔ وفات سے دس روز پہلے راقم اور برادرم عبداللطیف خالد چیمہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت ساری دعائیں لیں۔ ان کا خلوص اور محبت یاد رہے گا اور کبھی نہیں بھولے گا۔ ۱۹ر فروری کی رات قاسم باغ سٹیڈیم میں آپ کی نماز جنازہ میں علماء و مشائخ اور طلباء و عوام کے بے پناہ ہجوم نے انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ حضرت مولانا سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم اپنی علالت و معذوری کے باوجود نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور فرمایا کہ مولانا تو مقبولِ بارگاہِ الٰہی اور بخشے ہوئے ہیں۔ میں نے اس عظیم الشان ہستی کے جنازے میں اس لیے شریک ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے۔ مولانا کی دینی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آہ! ہم اپنے مربی و شفیق استاد اور پیکرِ علم و عمل سے محروم ہو گئے لیکن ان کی دعائیں ہمیشہ ہمارے شامل حال رہیں گیں۔ ان شاءاللہ

رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ، الھم اغفرلہ وارحمہ وعافہٖ واعف عنہ

مولانا تنویر الحسن احرار

فدائے احرار...... ماسٹر غلام یٰسین مرحوم

قانونِ قدرت ہے جو شخص بھی اس دنیا میں آیا اس نے دارالبقا کا سفر اختیار کرنا ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی زندگی مثالی ہوتی ہے اور ان کا دارالفنا سے دارالبقا کا سفر صرف اپنے خاندان کو ہی نہیں بہت ساروں کو غمگین کرتا ہے۔ انھی لوگوں میں سے ایک خاموش طبع انسان ماسٹر غلام یٰسین تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کی چالیس بہاریں دینِ الٰہی کی اشاعت و ترویج اور خدمت میں گزاریں۔ ماسٹر غلام یٰسین مرحوم ۱۹۳۶ء میں تلہ گنگ کے نواحی گاؤں شاہ محمد والی میں پیدا ہوئے۔ پانچ بھائی اور ایک بہن تھی، بڑے بھائی پیر بخش اور بہن اوائل عمر میں ہی فوت ہوگئے ماسٹر صاحب بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ناظرہ قرآن مجید اور پانچویں تک تعلیم شاہ محمد والی میں ہی حاصل کی۔ مڈل تک کی تعلیم قریبی قصبہ ٹمن کے مڈل سکول سے حاصل کی۔ جبکہ اسی دوران ٹمن میں مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا امام غزالی رحمہ اللہ کے درس میں شریک ہوتے رہے اور باوجود شرک و بدعت سے اٹے ہوئے علاقے میں رہنے کے حضرت کے دروس کی برکت سے عقیدہ درست ہوگیا۔

مڈل سے فراغت کے بعد ۱۹۵۰ء میں گجرات میں J.V ٹیچر کا کورس کیا اور ۱۹۵۴ء میں شعبہ تدریس سے منسلک ہوگئے۔ تحصیل پنڈی گھیپ کے نواحی قصبہ میرا شریف میں جہالت کو نور میں تبدیل کرنے کے لیے گامزن ہوگئے۔ میرا شریف پسماندہ علاقہ تھا۔ حضرت خواجہ سلمان تونسوی رحمہ اللہ نے اپنے شاگردِ خاص اور ولی وقت حضرت مولانا خواجہ احمد خان چکڑالوی رحمہ اللہ کو میرا شریف بھیجا اور انھوں نے علم و عرفان کی شمع کو روشن کیا۔ ان کے خلیفہ اور شاگردِ خاص حضرت مولانا فقیر عبداللہ چکڑالوی رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق خاطر قائم ہوگیا۔ حضرت کے بیٹوں کو پڑھاتے اور حضرت کے آنے والے خطوط پڑھتے اور ان کا جواب لکھا کرتے، دس سال تک وہاں خدمت کی۔

۱۹۶۵ء میں اپنے آبائی علاقہ میں ٹرانسفر کروالیا اور ۱۹۷۰ء تک وہاں پرائمری سکول میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۷۰ء میں ہی تلہ گنگ زمین خریدی اور رہائشی مکان کے ساتھ دکان شروع کردی۔ غالباً ۱۹۷۸ء میں ابنِ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ جماعت کے امیر جناب رفیق غلام ربانی اور ملک محمد صدیق شاہ جی کے خادم ہوا کرتے تھے۔ تریڑاں ولی مسجد میں شاہ جی رحمہ اللہ نے تقریر کی اور قیام، ملک محمد صدیق کے پاس تھا۔ رات کو تقریر واقعہ کربلا کے عنوان پہ تھی، ماسٹر صاحب نے شاہ جی کی زبانِ حق گو سے پہلی مرتبہ حقائق سنے تو ملک صدیق کے مکان پہ پہنچ گئے اور سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے تسلی بخش جوابات دیئے۔ خود فرماتے تھے کہ میرے اوپر ابتدائی طور پر جماعت اسلامی کا رنگ غالب تھا مگر شاہ جی نے بہت خوبصورت انداز سے میرے دل و دماغ کی صفائی کی۔ انھی دنوں حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے محبّ، بابا فضل (خالد فاروق امیر مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کے دادا) کو شوق پیدا ہوا کہ توشۂ آخرت بناؤں، جہاں اب مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے، یہ ساری زمینیں ان کی تھیں۔ دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ مسجد کے لیے جگہ وقف کروں تو نظر انتخاب ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ پہ پڑی اور ۱۹۸۰ء میں حضرت شاہ جی رحمہ

اللہ کا بیان پھر تریڑاں والی مسجد میں تھا کہ بابا فضل نے شاہ جی سے عرض کیا: حضرت آپ کے علاوہ کوئی اس قابل نظر نہیں آتا کہ مسجد کی جگہ اس کے حوالے کروں، آپ جگہ قبول فرمائیں اور مسجد بنائیں''۔ ۲؍جنوری ۱۹۸۲ء کو وقت طے ہوگیا، ابن امیر شریعت رحمہ اللہ تشریف لائے اور مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

سنگِ بنیاد کے وقت شہر بھر سے دیوانگانِ ختم نبوت کا بھرپور اجتماع تھا۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ مسجد اب احرار کا مرکز ہوگیا، شہر کے احباب نے بھرپور تعاون کیا۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے رجسٹر جس پر آمدن لکھی جارہی تھی ماسٹر غلام یٰسین کے حوالے کردیا، تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ محلّہ کے دو بزرگ بابا لعل خان اور شیخ حفیظ اکرم مرحوم نے ماسٹر صاحب کے ساتھ مل کر تعمیر کے لیے بھاگ دوڑ کی۔ تین ماہ کے بعد حضرت شاہ جی رحمہ اللہ افتتاحی جمعہ کے لیے تشریف لائے تو ماسٹر مرحوم نے رجسٹر آمدن وخرچ پیش کیا اور عرض کیا کہ شاہ جی یہ رجسٹر لے لیں اور کسی اپنے بندے کے سپرد کردیں۔ شاہ جی رحمہ اللہ نے رجسٹر دیکھا اور ''علاؤالدین'' نام پہ حمزہ ڈال کر رجسٹر ماسٹر صاحب کے حوالے کردیا اور فرمایا ''ماسٹر جی تہاڈا تے اللہ دا معاملہ، سودا اللہ نال کرلیا نیں میں کونٹر ہونداں رجسٹر لینٹر آلا'' (ماسٹر جی آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ سودا اللہ کے ساتھ کرلیا ہے میں کون ہوتا ہوں رجسٹر لینے والا اور حساب کتاب چیک کرنے والا)۔

پھر ماسٹر صاحب نے تاحیات اس وعدے کو نبھایا۔ مختلف اوقات میں بہت سی مشکلات سے واسطہ پڑا مگر ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ ۲۰۱۰ء میں جب ''فہم ختم نبوت خط کتابت کورس'' شروع ہوا تو مرحوم نے فرمایا میرا نام بھی داخل کریں۔ میں نے عرض کیا ماسٹر صاحب آپ کتابچے لے جائیں مطالعہ فرمالیں، فرمانے لگے مولوی صاحب! اس کورس کی سند کو حصول شفاعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

ماسٹر صاحب مرحوم انتہائی امانتدار اور مسجد کے معاملے میں ہر وقت متفکر رہتے تھے۔ ماہنامہ نقیب ختم نبوت کا بہت ذوق وشوق سے مطالعہ کرتے اور جب کبھی رسالہ لیٹ ہوجاتا بار بار پوچھتے۔ ۲۰۱۵ء میں ''احرار نیوز'' کا سلسلہ وار اجراء ہوا تو بہت خوش ہوئے، مرض الوفات سے پہلے تک باقاعدگی سے مسجد آتے۔ ''مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' اور ملحقہ مدرسہ کی تعمیر کے مراحل میں صرف متفکر ہی نہیں معاونت کے لیے کوشاں رہتے۔ ان کے نابینا بھائی بابا محمد یوسف ۱۹۸۴ء سے تاحال مسجد میں مؤذن ہیں اور ہر لمحہ مسجد کی آبادی کے لیے دعاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔

ماسٹر صاحب مرحوم نے ۱۹۸۲ء میں جو رشتہ مجلس احرار اسلام، خاندان امیر شریعت رحمہ اللہ مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جوڑا تھا، تادمِ مرگ اس کو نبھاتے رہے۔ بالآخر ۳۰؍جنوری ۲۰۱۶ء کو طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور رات سوا گیارہ بجے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ ۳۱؍جنوری ۲۰۱۶ء اتوار کے دن دو بج کر تیس منٹ پر مناظر ختم نبوت حضرت مولانا محمد مغیرہ (خطیب جامع مسجد احرار چناب نگر) کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور سٹیڈیم والے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور مرحوم کے دونوں بیٹوں ڈاکٹر محمد حسین، پروفیسر محمد صابر کو اپنے والد مرحوم کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے مجلس احرار اسلام، مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تادمِ حیات وابستہ رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

غلام اکبر

کیا کوئی شریف عورت پولیس کو گھر بلا کر اپنا شوہر اس کے حوالے کرے گی؟

پاکستان میں غیر ملکی سرمائے سے قائم ہونے اور چلایا جانے والا ''این جی اوز'' نیٹ ورک اپنے مقاصد میں کتنی بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کر رہا ہے اس کا اندازہ اس تازہ ترین کارنامے سے لگایا جا سکتا ہے جو پنجاب اسمبلی نے ''شوہر کو گھر بدر کرنے'' کا بل پاس کر کے انجام دیا ہے۔

اس بل کی تفصیلات آپ نے اخبارات میں پڑھ لی ہوں گی مگر اس کی روح یہ ہے کہ جو بھی خاتون چاہے اپنے میاں کا مزاج درست کرنے کے لیے فون کر کے پولیس کو بلا سکتی ہے اور اپنا میاں اس کے حوالے کرتے ہوئے کہہ سکتی ہے کہ اس نے مجھ پر تشدد کیا ہے اس لیے اسے دو روز کے لیے گھر سے باہر رکھو۔ اگر اس کے پاس کوئی اوڑھ کا نہیں تو حوالات اس کے لیے نامناسب جگہ نہیں ہوگی۔

میرا نہیں خیال کہ کوئی شریف خاتون اس قسم کا کوئی کھیل کھیلے گی۔ اگر کسی شریف خاتون کا پالا اس قسم کے شوہر سے پڑ جاتا ہے جو تشدد کرنے سے بھی باز نہیں آتا تو وہ اپنے ماں باپ سے رجوع کرتی ہے اسے اس عذاب سے نکالا جائے۔

پنجاب اسمبلی کا بل شریف عورتوں کے لیے نہیں۔ یہ بل ایسی عورتوں کو سہولت فراہم کرتا ہے جن کے لیے مشرقی اقدار اور دینی روایات کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور جو خود حیا اور شرم کے روایتی تقاضوں کو گھٹیا قسم کی قدامت پسندی سمجھتی ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کوئی عورت بقائمی ہوش و حواس یہ امید رکھ سکتی ہے کہ جس شوہر کو وہ دو دن کے لیے گھر سے نکالے گی وہ واپس آ کر اس پر محبت کے پھول برسائے گا۔ اور کیا کوئی ایسا مرد ہو سکتا ہے جو دو دن گھر بدر رہنے کے بعد واپس اس بیوی کے پاس جائے گا جو اس کی رسوائی کا باعث بنی۔

اسلام میں ازدواجی زندگی کی واضح اقدار متعین ہیں۔ مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے اور عورت مرد سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب دونوں کا ساتھ رہنا مشکل ہو جائے۔ مغربی اقدار کی یلغار ہمارے معاشرے پر ایک عرصے سے جاری ہے لیکن اس کے باوجود ''فیملی یا خاندان'' کا انسٹی ٹیوشن ابھی تک مکمل طور پر تباہ نہیں ہوا۔ اس انسٹی ٹیوشن کی مکمل تباہی کے لیے میڈم باری جیسی فیشن ایبل ''خواتین'' سرگرم عمل ہیں۔ ایسی خواتین کا تعلق کسی نہ کسی این جی او سے ہوا کرتا ہے۔ جہاں سے انہیں ''آسودہ'' زندگی گزارنے کے اسباب و وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ ایسی این جی اوز کے پاس سرمایہ کہاں سے آتا ہے یہ کوئی سربستہ راز نہیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے بعد ہمارے ملک میں جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئی ہیں ان کے ایجنڈے میں ''اسلام کو ماڈرنائز کرنے'' اور اخلاقی اقدار کو لچک دار بنانے کا ہدف نمایاں رہا ہے۔ میاں نواز شریف اپنے موجودہ دورِ حکومت میں یہ ثابت کرنے پر تلے بیٹھے ہیں کہ ان سے زیادہ روشن خیال لبرل اور ترقی پسند مسلمان حکمران دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔

میاں صاحب کا خیال ہے کہ مغرب ان کی ''روشن خیالی'' کے عوض ان کی مدت حکمرانی میں خاطر خواہ اضافہ کرنے میں بھرپور کردار ادا کرے گا۔

(مطبوعہ: روزنامہ الاخبار، اسلام آباد۔ 27/ فروری 2016ء)

اوریا مقبول جان

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جاجا کے تھانے میں!

جس واقعہ نے گزشتہ پندرہ سالوں سے اس دنیا کو ایک جہنم میں بدل کر رکھ دیا ہے وہ نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر چار امریکی طیاروں کو اغوا کر کے حملہ کرنا ہے۔ ان میں دو تو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر نشانہ بناتے ہوئے پوری دنیا کی ٹیلی ویژن سکرینوں پر نظر آئے جب کہ ایک پینٹا گون کی عمارت اور دوسرا پنسلونیا کے آس پاس کہیں گرا۔ گزشتہ پندرہ سالوں سے اس واقعہ کو نائن الیون یعنی گیارہ ستمبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کی دنیا اور اس کے بعد کی دنیا میں اس قدر فرق آیا ہے کہ دنیا بھر میں جرم کے معیارات اور مجرم کی شناخت کے پیمانے تک بدل گئے ہیں۔ دنیا بھر میں مشتبہ لوگوں کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ دہشت گردی کی اصطلاح عام ہوئی تو دنیا کے کارپوریٹ سرمائے سے چلنے والے میڈیا نے دہشت گردوں کی نرسریوں سے لے کر ان کے اعتقادات، خیالات، علم حاصل کرنے کے مقامات اور آخر کار ان کے حلیوں تک کو ایسے پیش کیا جیسے ہر وہ شخص جو اسلام میں بظاہر دلچسپی لیتا ہو، داڑھی بڑھا لے، ٹخنوں سے اونچی شلوار کر لے، پانچ وقت نماز کے لیے قریبی مسجد کا رخ کرے، سر پر پگڑی، ٹوپی یا صافہ رکھ لے، تو ایسا شخص عین ممکن ہے دہشت گرد ہو یا پھر ایسے حلیے والے بہت سے لوگوں کے درمیان دہشت گرد چھپ سکتا ہے۔ گزشتہ پندرہ سالوں کی اس میڈیا جنگ نے آج پوری دنیا میں ظالم، دہشت گرد اور تخریب کار ایک ایسا چہرہ تسلیم کروالیا ہے جو کبھی ایک تہجد گزار، اللہ کے دین پر عمل پیرا، دنیا کے طعنوں سے بے نیاز ایک ایسا لباس زیب تن کرنے والا تھا جو قرونِ وسطیٰ کے مسلمان پہنا کرتے تھے۔ اس لیے مجھے بالکل حیرت اور تعجب نہیں ہوا جب حکومت پنجاب نے پنجاب کے تعلیمی اداروں میں تبلیغی جماعت کے داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ ایسے حلیے کے لوگ اس مغرب زدہ مخلوط تعلیمی اداروں میں کتنے برے لگتے ہیں۔ وہ سارے کا سارا تصور ہی پاش پاش ہو جاتا ہے جو ہم نے ”سافٹ“ پاکستان کا بنا رکھا ہے۔ تبلیغ پر تو ویسے بھی پابندی لگانی ہی چاہیے تھی۔ اس لیے کہ جس طرح ہم اسلام کو خوفناک بنا کر پیش کرتے ہیں، یہ لوگ تو بالکل اس کے الٹ ہیں۔ مسجد کے ایک کونے میں پڑے رہتے ہیں۔ عصر کے بعد لوگوں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں۔ ایک ان میں نظریں نیچی کیے میرے بھائی کے لفظ سے آغاز کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میری اور آپ کی بھلائی پورے دین میں ہے اور بات کا اختتام اس جملے پر ہوتا ہے کہ مغرب کے بعد مسجد میں اس سلسلے میں بیان ہوگا، آپ تشریف لائیے گا۔ گزشتہ پچاس سالوں سے میں ان کا یہ رویہ دیکھ رہا ہوں اور اس معاشرے کا رویہ بھی جو ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ کون ہے جو اِن پر اپنے دروازے بند نہیں کرتا۔ انھیں تمسخر کا نشانہ نہیں بناتا۔ ان پر مغلظات نہیں بکتا۔ لیکن یہ بھی نجانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ ایک دروازے سے گالیاں سن کر اگلے دروازے پر دستک ضرور دیتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں دو گروہ ایسے ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں انا، غرور اور نفس کو کچلنے کی اس طرح ترغیب دی

ہو۔ایک اہلِ تصوف اور دوسرے تبلیغی جماعت کے لوگ۔اہلِ تصوف تو کسی میں ذرا سا بھی غرور یا تکبر دیکھتے تو کشکول ہاتھ میں پکڑا دیتے کہ جاؤ بھیک مانگ کر لاؤ یا پھر جھاڑو پکڑا دیتے کہ تم خانقاہ کی صفائی پر مامور کر دیے گئے ہو۔تبلیغی جماعت والوں نے بھی ضبطِ نفس کی جو تربیت پائی ہے اس پر حیرت ہوتی ہے۔گریڈ بائیس کے بیوروکریٹ سے لے کر کروڑوں کمانے والے تاجر تک اور جسمانی طور پر دس لوگوں پر بھاری انسان تک سب کے سب اس طرح سر جھکائے لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں جیسے یہ اس شخص کے مجرم ہوں جسے دعوت دے رہے ہیں۔کوئی ان کی ہنسی اڑائے، ان کی بات سننے سے انکار کرے، انھیں بے نقط سنائے، یہ خاموشی سے چپ چاپ اپنی راہ لیتے ہیں۔ایسا رویہ اگر اسی طرح کے گریڈ بائیس کے افسر، کروڑ پتی تاجر یا جسمانی طور پر مضبوط شخص کے ساتھ عام زندگی میں کیا جائے تو اس کا نتیجہ انتہائی خوفناک نکلتا ہے۔گیارہ ستمبر سے پہلے ان لوگوں کو بے ضرر سمجھا جاتا تھا۔دفتر میں ان کو چلّے، چار ماہ کے لیے چھٹی مانگنے پر دے دی جاتی تھی۔دنیا کے کسی بھی ملک میں خواہ وہ سکینڈے نیویا کے ممالک کی طرح سیکس فری ملک کیوں نہ ہو، تبلیغی جماعت کے لوگوں کو کبھی ویزا کی مشکلات نہ ہوئیں۔آسٹریلیا سے لے کر امریکہ کے ساحلوں تک یہ لوگ آزادانہ تبلیغی کام کرتے تھے لیکن گیارہ ستمبر کے بعد صرف ان کے حلیے نے انھیں مشکوک کر دیا۔یہ میڈیا کس قدر طاقتور چیز ہے۔یہ پراپیگنڈہ کی مشنری کس قدر خوفناک ہے کہ جرم کوئی بھی کرے آپ مجرم جس کو چاہے ثابت کر دیں۔گیارہ ستمبر کا واقعہ جن چودہ افراد نے کیا ان میں چار لیڈر ان جنھوں نے جہاز اغوا کیے ان کے حلیے اور حالات زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔محمد الامیر السید عطا جس نے امریکن ایئر لائن کی فلائٹ نمبر ۱۱ کو اغواء کیا۔ایک کلین شیو نوجوان جس نے قاہرہ یونیورسٹی سے آرکیٹکٹ کی ڈگری حاصل کی اور پھر ۱۹۹۰ء میں جرمنی کی ٹیکنیکل یونیورسٹی ہمبرگ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے داخل ہوا۔مردان یوسف محمد رشید لکراب شیحی۔متحدہ عرب امارات سے انگلش میڈیم سلوک سے میٹرک کرنے کے بعد فوج میں بھرتی ہوا۔فوج سے وظیفہ لے کر اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی روانہ ہوا اور پہلے یونیورسٹی آف بون اور پھر ٹیکنیکل یونیورسٹی ہمبرگ میں پڑھتا رہا، اس نے یونائیٹڈ ائیر لائنز کی پرواز اغوا کی۔ہانی صالح حسن حنجور ایروزونا یونیورسٹی امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے سیرا اکیڈیمی Sierra Acadmy of Aeronotics میں کورس مکمل کیا۔اس نے یونائیٹڈ ایئر لائنز کی پرواز 175 کو اغوا کیا۔زیاد سمیر جراح لبنان کے شہر بیروت سے 1996ء میں جرمنی کی یونیورسٹی GREIFSWALD میں جرمنی زبان سیکھنے کے لے داخل ہوا اور پھر ہمبرگ کی یونیورسٹی فار اپلائڈ سائنسز Applied Sciences میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔یہ وہ چار لوگ تھے جنھوں نے باقی دس لوگوں کے ساتھ مل کر جہاز اغوا کیے اور گیارہ ستمبر کا معرکہ برپا کیا۔ان میں سے کوئی ایک بھی کسی مدرسے کا پڑھا لکھا نہیں تھا۔جنھیں آج کے میڈیا میں جہاد کی نرسریاں بتایا جاتا ہے۔سب کے سب سیکولر مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھ کر نکلے تھے۔ان میں کسی کا حلیہ بھی ویسا نہ تھا جیسا آج دہشت گردوں کا بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔یہی نہیں بلکہ القاعدہ کی پوری کی پوری قیادت کو اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو کوئی بھی کسی مدرسہ کا فارغ التحصیل نہیں ملے گا۔خود اسامہ بن لادن مغربی طرز پر قائم یونیورسٹی

میں پہلے انجینئر نگ اور پھر اسلامیات کی ڈگری حاصل کرنے والا، ایمن الظواہری میڈیکل کالج سے میڈیسن کی ڈگری لیے ہوئے، خالد شیخ محمد جسے انتہائی خطرناک بنا کر پیش کیا جاتا ہے، پہلے یونیورسٹی آف نارتھ کیرولینا میں پڑھتا رہا اور پھر اس نے پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات کی ڈگری حاصل کی۔ رمزی یوسف کویت سے پڑھائی کے لیے نکلا اور مشہور عام سوانسا (Swansa) انسٹیٹیوٹ سے الیکٹریکل انجینئر نگ کی ڈگری حاصل کر کے لوٹا۔ یہ تو وہ لوگ تھے جنھوں نے گیارہ ستمبر برپا کیا یا القاعدہ قائم کی۔ آج اس وقت وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں یورپ کے ممالک سے شام میں جا کر لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے کسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی ہو۔ پورا یورپ حیران ہے کہ یہ ڈاکٹرز، انجینئرز، سائنس اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کرنے والے، جدید سیکولر نظامِ تعلیم میں پلے بڑھے، انھیں کس بات نے مجبور کیا کہ یہ شام میں لڑنے والے گروہوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ لیکن کمال ہے اس میڈیا کا جس کی طنابیں اس کارپوریٹ انڈسٹری کے ہاتھ میں ہیں جو اس دنیا کو پُر امن دیکھنا نہیں چاہتی۔ اس دنیا میں جتنے میدانِ جنگ ہوں گے اُن کا اسلحہ اتنا ہی بکے گا۔ لوگ جس قدر خوفزدہ ہوں گے ان کے سامان کی اتنی ہی کھپت ہوگی۔ انھوں نے خوبصورت زندگی کا ایک تصور میڈیا پر پیش کیا ہے، مخلوط ماحول، ساحلِ سمندر پر نیم برہنہ زندگی، نائٹ کلب، بڑی بڑی عمارتیں، تیز رفتار ٹریفک، محبت کی کہانیاں، فیشن شوز، فلم کی دنیا اور اعلیٰ تعلیمی درس گاہیں۔ وہ اس خوبصورت زندگی کو جسے وہ لائف سٹائل کہتے ہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کا مال بکتا رہے، میک اپ سے لے کر برگر تک اور اس کے برعکس ایسا لائف سٹائل جس میں کچا کمرہ، سوکھی روٹی، پیوند لگے کپڑے اور قناعت کا سامان ہو، وہ انھیں زہر لگتا ہے۔ اس لیے خواہ سارے کے سارے دہشت گرد اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں کے پڑھے لکھے ہوں، گالی مدرسے کو پڑے گی، دہشت گرد داڑھی اور پگڑی والا ہی ہوگا اور پابندی تبلیغ کرنے والوں پر ہی لگے خواہ ان جیسا مرنجا مرنج اور ضبطِ نفس والا کوئی اور ذی نفس دنیا میں نہ ہو۔ جس بازار میں جھوٹ اور منافقت کی چکا چوند ہو وہاں پنجاب حکومت کی آنکھیں چندھیا جائیں تو کچھ عجب نہیں۔ اکبر الہ آبادی یاد آتے ہیں۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ریاض احمد چودھری

مسلکی منافرت پھیلانے میں ''را'' کا گھناؤنا کردار

انڈیا کے ایک خفیہ ادارے کے اعلیٰ افسر آنجہانی ایم کے دھرا نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسی کے ایک اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں مسلکی اختلافات کے ذریعے آگ بھڑکائی جائے۔ اس سلسلے میں طے کیا گیا کہ شدت پسند نظریات والے ہندو نوجوانوں پر مشتمل ایک ایسا گروہ تیار کیا جائے جو اس مقصد کے ساتھ انتہائی مخلص ہو۔ ایسے ہندو نوجوانوں کا جب ایک گروپ تیار ہو گیا تو اس کی ٹریننگ اس طرح کی جانے لگی کہ وہ نہ صرف دین اسلام کے باریک سے باریک نکات سے واقف ہو گئے، بلکہ ایک بہترین عالم کی طرح ہر موضوع پر بحث و مباحثہ بھی کر سکتے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت دہلی میں موجود ایک فارم ہاؤس پر ایک افسر شیام پروہت عرف مولوی رضوان نے کی۔ انٹیلی جنس کے محکمے میں آنے سے پہلے شیام پروہت ایک انتہاء پسند ہندو تنظیم کا بہت ایکٹو رکن تھا۔ اسے دین اسلام کے متعلق عام مسلمانوں سے زیادہ علم تھا۔ اپنے ایک شاگرد گوتم رے کی ٹریننگ کرنے کے بعد شیام پروہت نے اسے مزید اسلامی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ گوتم رے نے وہاں عام طالبعلم کے روپ میں اسلامی علوم میں قابل رشک مہارت حاصل کر لی۔ خاص طور پر مناظرے کے میدان میں اس کی مہارت بے مثل تھی۔

دارالعلوم دیوبند کے علماء نے اپنے کچھ علماء کو بریلی کے علماء سے مناظرے کے لئے بریلی بھیجا۔ ان علماء کے گروپ میں گوتم رے جو کہ اب ایک جید عالم سمجھا جاتا تھا، بھی شامل تھا۔ علماء کا یہ گروپ بریلی پہنچا۔ مناظرے سے دو روز پہلے ایک رات گوتم رے اپنے اندر کی فطری خباثت سے مجبور ہو کر ایک طوائف کے کوٹھے پر چلا گیا۔ وہ طوائف یہ جان کر حیران ہو گئی کہ مسلمانوں کے نام والا وہ مولوی شخص بغیر ختنے کے تھا۔ اس نے جب اس بات کا ذکر اس دلال سے کیا جو مولوی صاحب کو اس کے پاس لایا تھا تو دلال حقیقت جاننے کے لئے مولوی صاحب کے پیچھے چلا گیا۔ یہ جان کر دلال کے حیرت سے ہوش اڑ گئے کہ وہ مولوی صاحب علماء کے اس وفد میں شامل تھے جو دیوبند سے مناظرے کے لئے آیا تھا۔ دلال نے یہ بات جا کر بریلی کے علماء کو بتائی۔ چند گھنٹوں میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی کہ دیوبند سے آنے والے علماء کے وفد میں ایک بڑے عالم کے ختنے نہیں ہیں اور وہ طوائف کے پاس بھی گیا تھا۔ گوتم رے تک یہ بات پہنچی تو وہ اسی وقت فرار ہو کر دلی پہنچ گیا۔ اس واقعہ کے بعد انٹیلی جنس چیف نے حکم جاری کیا کہ ایسے مشن پر جانے والوں کے ختنے کروائے جائیں۔

یہ صرف ایک مثال ہے اور صرف بھارت نہیں، بلکہ دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف یہ سازش انتہائی کامیابی سے جاری ہے۔ نواب شطاری کا مشہور واقعہ ہے کہ لندن میں ایک بار ان کے ایک انگریز دوست ان کو ایک جگہ پر لے گئے، جہاں بہت بڑی تعداد میں نوجوان، جن کے سروں پر خوبصورت ٹوپیاں سجی ہوئی تھیں، ایک بہت بڑے ہال میں بڑی ہی خوش الحانی

کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کررہے تھے۔ کچھ نوجوان ایک قاری صاحب سے سبق لے رہے تھے اور کچھ سبق دہرا رہے تھے۔ وہ صاحب کہتے ہیں، وہ بیحد حیران ہوئے۔ اس کے بعد انہیں ایک اور ہال میں لے جایا گیا۔ وہاں پر کچھ طلباء آپس میں دینی مسائل پر بحث کررہے تھے۔ اپنی بحث کے دوران وہ احادیث اور قرآن پاک کے حوالے دے رہے تھے۔ ان کی مدلل گفتگو اور حوالہ جات اتنے متاثر کن تھے کہ وہ صاحب ان کے دینی علم پر عبور کے حوالے سے عش عش کر اٹھے۔ ان کے انگریز دوست ان کو ایک اور کمرے میں لے گئے۔ وہاں ان کو مختلف فرقوں کے علماء بیٹھے نظر آئے جو آپس کے فقہی اختلافات پر بحث کررہے تھے۔ ان کے انگریز دوست نے ان سے سوال کیا کہ کیا آپ ان کو جانتے ہیں یہ کون ہیں؟ وہ صاحب بولے کہ نہیں۔ تب اس انگریز دوست نے انکشاف کیا کہ یہ سب عیسائی ہیں، ان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں۔

اس مقصد کے لئے انتہائی ذہین اور انتہائی متاثر کن شخصیت والے خوبصورت نوجوانوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، ان کو اسلام کے دینی امور کے متعلق ماہر بنایا جاتا ہے، اس کے بعد ان کو مختلف مکاتب فکر کے لوگوں میں ایک بہترین عالم دین کے طور پر داخل کردیا جاتا ہے۔ یہ مدلل اور خوبصورت گفتگو کے ذریعے مسلمانوں کے آپس کے مذہبی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ ان کی شخصیت دینی علوم پر مہارت اور گفتگو کی خوبصورتی کی وجہ سے لوگ ان کے خیالات سے متاثر ہوجاتے ہیں، یوں جو کام بڑی سے بڑی فوج نہیں کرسکتی، یہ آسانی سے کرسکتے ہیں۔ اس سارے معاملے میں سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ ایسے لالچی افراد کو پاکستان میں سے بھی تلاش کیا جاتا ہے جو شدید قسم کی فرقہ پرستی کی بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کو بھاری رقوم کے لالچ میں غیر ملکی ایجنسیاں اپنے ساتھ ملا کر ان کی برین واشنگ کرتی ہیں یا اپنے مخصوص ایجنٹوں سے ان کو تیار کرواتی ہیں۔ ایسے افراد اپنے مخالف فرقے والوں کے خلاف کفر کے فتوے دیتے نظر آتے ہیں۔ امت مسلمہ کے ان دشمنوں کو پہچاننا اور ان کی حوصلہ شکنی کرنا آپ کا کام ہے۔

اعلان

سالانہ احرار ختم نبوت کانفرنس وجلوس دعوتِ اسلام

جامع مسجد احرار چناب نگر، کی آڈیو اور ویڈیو سی ڈیز و ڈی وی ڈیز تیار ہو چکی ہیں

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان، فون: 0300-8020384

مولانا زاہد الراشدی

معاہدۂ حدیبیہ کی ایک شرط

آج کے حالات کے تناظر میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کا ایک اہم پہلو ذکر کیا جا رہا ہے جو یقیناً ہمارے لیے راہ نمائی کا باعث ہے، خدا کرے کہ ہم اس سے صحیح طور پر استفادہ کر سکیں۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں جہاں یہ طے ہوا تھا کہ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال تک جنگ نہیں ہوگی، وہاں دوسری شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے گا تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) ساتھ چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو اس کی واپسی ضروری نہیں ہوگی۔ اس شرط پر مسلمانوں میں بے چینی اور اضطراب کا پیدا ہونا فطری امر تھا کہ یہ برابری کی شرط نہیں تھی اور معاہدات کی روح کے خلاف تھی۔ حضرت عمرؓ نے تو اس اضطراب کا کھلم کھلا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن حضورؐ نے نہ صرف اس شرط کو منظور کر لیا بلکہ اس موقع پر قریش کی طرف سے مذاکرات کرنے والے نمائندہ سہیل بن عمروؓ کا اپنا بیٹا ابوجندلؓ زنجیروں میں جکڑا ہوا مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے کسی طرح حدیبیہ تک آ پہنچا تو سہیل بن عمروؓ کے مطالبہ پر آنحضرتؐ نے اسے اسی طرح پابجولاں اس کے والد کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس بھجوا دیا۔ جبکہ حضرت عمرؓ اور دیگر مسلمانوں کی اس حوالہ سے بے چینی اور اضطراب میں انہیں تسلی دیتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کر رہے ہیں، اس لیے اسی میں خیر ہوگی۔ اس معاہدہ کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ ایک قریشی نوجوان ابو بصیرؓ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے جس پر مکہ والوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا اور دو آدمی انہیں واپس لانے کے لیے بھجوائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاسداری کرتے ہوئے ابوبصیرؓ کو ان دو نمائندوں کے ہمراہ واپس بھجوا دیا، راستہ میں ایک جگہ ابوبصیرؓ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور انہی میں سے ایک کی تلوار لے کر اسے قتل کر دیا اور مدینہ منورہ واپس آ کر حضورؐ سے کہا کہ آپ نے تو معاہدہ کی پابندی کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے، اب میں ان سے جان چھڑا کر واپس آ گیا ہوں۔ اس پر نبی کریمؐ نے شدید ردعمل کا اظہار فرمایا اور اس کے بارے میں کہا کہ **ویل لأمه مسعر حرب** اس کی ماں کے لیے ہلاکت ہو یہ لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔ اتنے میں راستہ میں ابوبصیرؓ کے وار سے بچ جانے والا دوسرا شخص بھی بھاگ کر مدینہ منورہ آ گیا اور حضورؐ کو سارا ماجرا سنا دیا۔ جب حضرت ابوبصیرؓ نے اپنی کاروائی پر حضورؐ کا سخت ردعمل دیکھا تو چپکے سے وہاں سے نکل گئے اور مکہ مکرمہ واپس جانے کی بجائے راستہ میں ”سیف البحر“ کے مقام پر ڈیرہ لگا لیا۔ یہ مکہ مکرمہ سے شام جانے والے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ میں تھا۔ چند دنوں کے بعد حضرت ابوجندلؓ بھی کسی طرح جان بچا کر ان کے پاس وہاں آ گئے جنہیں صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن عمروؓ کے ساتھ پابجولاں واپس کر دیا تھا۔

اس کے بعد یہ معمول بن گیا کہ مکہ مکرمہ کے علاقہ سے جو شخص بھی مسلمان ہوتا وہ مدینہ منورہ جانے کی بجائے حضرت ابوبصیرؓ کے کیمپ میں پہنچ جاتا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی، جبکہ بعض روایات میں تین سو کی تعداد بھی مذکور ہے۔

انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنا اور ان کا سامان چھیننا شروع کر دیا اور کچھ افراد ان کے ہاتھوں قتل بھی ہوئے۔ اس پر قریش میں تشویش پیدا ہوئی مگر وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اس لیے کہ حضورؐ نے ان میں سے کسی شخص کو قبول نہیں کیا تھا، بلکہ مدینہ منورہ پہنچنے والوں کو واپس کر دیا تھا اور ڈانٹ بھی پلائی تھی۔ یہ کیمپ آزاد علاقہ میں تھا جس کی ذمہ داری آنحضرتؐ پر عائد نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی ان لوگوں سے نمٹنا قریش کے بس میں رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ اس ساری صورت حال کی اصل وجہ معاہدۂ حدیبیہ کی وہ شرط ہے جو یک طرفہ تھی اور جس کے نتیجے میں یہ حالات پیدا ہوگئے ہیں۔ اس لیے قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد بھجوا کر پیش کش کی کہ اگر یہ کیمپ ختم ہو جائے تو وہ معاہدہ کی اس شق سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہیں۔ اس پر حضورؐ نے قریش کی پیش کش قبول کر کے حضرت ابو بصیرؓ کو خط بھجوایا کہ انہیں معاہدۂ حدیبیہ کی جس شق کی وجہ سے پریشانی تھی وہ ختم ہوگئی ہے اس لیے وہ احتجاجی کیمپ ختم کر کے مدینہ منورہ آجائیں، انہیں قبول کر لیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیمپ ختم کر کے واپس آنے والوں کے لیے ”عام معافی“ کا اعلان کر دیا تھا۔

تاریخی روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ گرامی نامہ حضرت ابو بصیرؓ کو پہنچا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کر کے انہیں سنایا، لیکن ابھی وہ خط پڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ان کا انتقال ہو گیا اور وہ اس کیفیت میں فوت ہوئے کہ نبی کریمؐ کا نامۂ مبارک ان کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت ابو جندلؓ ان کے جنازہ اور تدفین کے بعد حضورؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مدینہ منورہ آگئے اور دوسرے سب ساتھی بھی کیمپ ختم کر کے اپنی اپنی محفوظ جگہوں پر چلے گئے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو مسلمان سوسائٹی کے حصہ کے طور پر قبول فرمایا اور کسی کو دوبارہ سرزنش نہیں کی۔ جبکہ حضرت ابو جندلؓ خلافت راشدہ کے دور میں ایک جہاد کے دوران شہید ہوئے۔

سیرت النبیؐ کے اس اہم واقعہ اور اسوۂ نبویؐ کے اس اہم پہلو سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ معاہدہ کی مکمل پاسداری کی اور اس میں کوئی لچک نہیں دکھائی۔

☆ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والوں اور ان کے کسی عمل کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا، ڈانٹ پلائی اور لاتعلقی کا اظہار کیا۔

☆ معاہدہ کی ناجائز اور یک طرفہ شق کا فریق مخالف میں احساس پیدا ہونے پر ان کی طرف سے اس شق سے دست برداری کو قبول فرمایا۔

☆ خراب ہو جانے والے حالات کو صحیح سمت لے جانے کے لیے ان کے اسباب وعوامل کو بھی سامنے رکھا گیا اور ان کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

☆ کیمپ ختم کر کے مدینہ منورہ یا اپنے اپنے محفوظ ٹھکانوں پر چلے جانے والوں کو واپسی کا راستہ دیا گیا اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

اس قسم کے حالات میں اسوۂ نبوی میں ہمارے لیے یہ راہ نمائی موجود ہے، لیکن کیا ہمارے پالیسی ساز اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل و انصاف

حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتحِ مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی۔ اس عورت کی قوم والے گھبرا کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کی سفارش کر دیں (اور یوں ان کی عورت چوری کی سزا سے بچ جائے)۔ جب حضرت اسامہ نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک (غصہ کی وجہ سے) بدل گیا اور فرمایا: (اے اسامہ!) تم مجھ سے اللہ کی حدود کے بارے میں (سفارش کی) بات کر رہے ہو؟ (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ سفارش کر کے انھوں نے غلطی کی ہے اس لیے فوراً) حضرت اسامہ نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے لیے استغفار فرمائیں۔

شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمانے کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ کی شان کے مناسب ثنا بیان کی پھر فرمایا:

اما بعد! تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا طاقت ور اور معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حدِ شرعی قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ (**أَعَاذَهَا اللّٰهُ مِنْهَا**) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جس پر اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا، اس نے بہت اچھی توبہ کی اور اس نے شادی بھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اس کے بعد وہ عورت (میرے پاس) آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت کی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا کرتی [۱]۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین کے موقع پر نکلے۔ جب ہمارا (دشمن سے) سامنا ہوا تو اکثر مسلمان بکھر گئے (البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم میدان جنگ میں جمے رہے)۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک آدمی ایک مسلمان پر چڑھا ہوا ہے۔ میں نے پیچھے سے اس مشرک کے کندھے پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی زرہ کٹ گئی (اور کندھے کی رگ بھی کٹ گئی۔ وہ زخمی تو ہو گیا لیکن) وہ مجھے پر حملہ آور ہوا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا (لیکن زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے وہ کمزور ہو گیا) آخر اس پر موت کے اثرات طاری ہونے لگے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا (اور پھر وہ مر گیا) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا۔

---

[۱]۔ أخرجہ البخاری، وقد رواہ البخاری فی موضع آخر ومسلم من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا کذا فی ''البدایۃ'' (۳۱۸/۴)، وأخرجہ أیضا الأربعۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا کما فی ''الترغیب'' (۲۶/۴)۔

میں نے ان سے کہا: لوگوں کو کیا ہوا؟ (کہ ان مسلمانوں کو شکست ہوگئی) انھوں نے کہا: اللہ کا حکم ایسا ہی تھا۔ (بعد میں کفار کو مکمل شکست ہوئی اور مسلمان جیت گئے) پھر مسلمان (میدانِ جنگ سے) واپس آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی ہے تو اس مقتول کا سامان اسے ہی ملے گا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا: کون میرے لیے گواہی دیتا ہے؟ (جب کسی نے جواب نہ دیا تو) میں بیٹھ گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ارشاد فرمایا: میں نے پھر کہا: کون میرے لیے گواہی دیتا ہے؟ اور پھر میں بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا: میں پھر کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو قتادہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قصہ بتایا تو ایک آدمی نے کہا: یہ سچ کہتے ہیں، اس مقتول کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ (یارسول اللہ!) آپ ان کو کسی طرح مجھ سے راضی فرمادیں (کہ یہ اس مقتول کا سامان میرے پاس رہنے دیں)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ایسے نہیں ہوسکتا۔ جب ان کی بات ٹھیک ہے تو یہ سامان ان کو ہی ملنا چاہیے۔ تمہیں دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑنے والے اللہ کے شیر کو ملنے والا سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ابوبکر ٹھیک کہتے ہیں، تم ان کو وہ سامان دے دو۔ چناں چہ اس نے مجھے وہ سامان دے دیا جس سے میں نے بنوسَلِمہ کے علاقہ میں ایک باغ خریدا۔ یہ وہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں جمع کیا[۱]۔

حضرت عبداللہ بن ابی حَدْرَد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے۔ اس یہودی نے اس قرض کی وصولی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد لینی چاہی اور یوں کہا: اے محمد! میرے اس آدمی کے ذمہ چار درہم قرض ہیں اور یہ ان درہم کے بارے میں مجھ پر غالب آچکے ہیں۔ (یعنی میں کئی مرتبہ ان سے تقاضا کر چکا ہوں لیکن یہ مجھے دیتے نہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کا حق اسے دے دو۔ انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے دینے کی میرے پاس بالکل گنجائش نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کا حق اسے دے دو۔ انھوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، دینے کی بالکل گنجائش نہیں اور میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ ہمیں خیبر بھیجیں گے اور امید ہے کہ آپ ہمیں کچھ مالِ غنیمت دیں گے، اس لیے وہاں سے واپسی پر اس کا قرض ادا کردوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا حق ادا کردو۔ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ کسی بات کو تین دفعہ سے زیادہ نہیں فرماتے تھے۔ (تین دفعہ فرمادینا پورے اہتمام اور تاکید کی نشانی تھی) چنانچہ حضرت ابن ابی حَدْرَد بازار گئے۔ ان کے سر پر پگڑی تھی اور ایک چادر باندھ رکھی تھی، انھوں نے سر سے پگڑی اتار کر اسے لنگی بنالیا اور چادر کھول کر اس یہودی سے کہا: تم مجھ سے یہ چادر

[۱]. أخرجه البخاری، وأخرجه أیضا مسلم (۲/۸۶) وأبو داود (۲/۱۶) والترمذی (۱/۲۰۲) وابن ماجه (ص: ۲۰۹) والبیهقی (۹/۵۰).

خریدلو۔ چناں چہ وہ چادر اس یہودی کے ہاتھ چار درہم میں بیچ دی۔ اتنے میں ایک بڑھیا کا وہاں سے گزر ہوا اس نے یہ حال دیکھ کر کہا: اے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! تمھیں کیا ہوا؟ انھوں نے اسے سارا قصہ سنایا تو اس بڑھیا نے اپنے اوپر سے چادر اتار کر ان پر ڈال دی اور کہا: یہ چادر لے لو[۱]۔

حضرت اُمّ سَلَمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انصار کے دو آدمی کسی ایسی میراث کا جھگڑا لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کے نشان مٹ چکے تھے اور کوئی گواہ بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو اور جس کے بارے میں مجھ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، میں اس میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ لہٰذا جس آدمی کی دلیل کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا حق لے رہا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کا حق ہرگز نہ لے، کیوں کہ میں تو اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ یہ ٹکڑا اس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہوگا۔ اس پر وہ دونوں حضرات رونے لگے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنا حق اسے دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے یہ ارادہ کرلیا تو جاؤ اور حق پر چلو اور اس میراث کو آپس میں تقسیم کرلو اور تقسیم کرنے کے لیے قرعہ اندازی کرلو اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد تم دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اپنا حق معاف کردے[۲]۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک اعرابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرضہ تھا۔ وہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض کا تقاضا کرنے لگا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سختی کی یہاں تک کہ یہ کہہ دیا کہ جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہیں کریں گے میں آپ کو تنگ کرتا رہوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسے جھڑکا اور کہا: تیرا ناس ہو! تم جانتے ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟ اس نے کہا: میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اور پھر آپ نے حضرت خولہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو، جب ہمارے پاس آئیں گی تو ہم تمہارا قرضہ ادا کر دیں گے۔ انھوں نے کہا: ضرور، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قرض لے کر اس اعرابی کا قرض ادا کر دیا اور جتنا اس کا قرض تھا اس سے زیادہ اسے دیا۔ اس اعرابی نے کہا: آپ نے قرضہ پورا ادا کر دیا اللہ آپ کو پورا بدلہ دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حق کا ساتھ دینے والے لوگوں میں سب سے بہترین لوگ ہیں اور وہ امت پاکیزہ نہیں ہو سکتی جس میں کمزور آدمی بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے اپنا حق وصول نہ کر سکے[۳]۔

[۱]. أخرجه بن عساكر، كذافي "الكنز" (۳/۱۸۱)، وأخرجه أحمد أيضا كمافي "الاصابة" (۲/ ۲۹۵).

[۲].أخرجه ابن أبي شيبة وأبو سعيد النقاش، كذافي "الكنز" (۳/ ۱۸۲).[۳]. أخرجه ابن ماجه، ورواه البزار من حديث عائشة رضى الله عنها مختصرا، والطبراني من حديث ابن مسعود رضى الله عنه باسناد جيد، كذافي "الترغيب" (۳/ ۲۷۱)

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: بنوساعدہ کے ایک آدمی کی ایک وسق کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ قرض تھیں۔ (ایک وسق تقریباً سوا پانچ من کا ہوتا ہے) اس آدمی نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کھجوروں کا تقاضا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو۔ انھوں نے اس کی کھجوروں سے گھٹیا قسم کی کھجوریں دینی چاہیں۔ اس آدمی نے لینے سے انکار کردیا۔ ان انصاری نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کھجوریں واپس کرتے ہو؟ اس آدمی نے کہا: ہاں! اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عدل کرنے کا کون حق دار ہے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک کہتا ہے، مجھ سے زیادہ عدل کرنے کا حق دار کون ہوسکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں فرماتے جس کا کمزور آدمی طاقت ور سے اپنا حق نہ لے سکے اور نہ اس پر زور دے سکے۔ پھر فرمایا: اے خولہ! اسے گن کر ادا کردو، کیوں کہ جس مقروض کے پاس سے قرض خواہ خوش ہو کر جائے گا اس کے لیے زمین کے جانور اور سمندروں کی مچھلیاں دعا کریں گی۔ اور جس مقروض کے پاس قرضہ کی ادائیگی کے لیے مال ہے اور وہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر دن اور رات کے بدلہ میں اس کے لیے ایک گناہ لکھتے ہیں[۱]۔

(از: حیاۃ الصحابہ، جلد: ۲، مترجم: مولانا محمد احسان الحق)

[۱] أخرجه الطبراني، ورواه أحمد بنحوه عن عائشة رضی اللہ عنہا باسناد جید قوی، کذافی ''الترغیب'' (۳/۲۷۰).

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

گناہوں سے توبہ کی فضیلت اور اجر وثواب

توبہ کی بنیاد پشیمانی ہے۔ پشیمانی کی علامت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا ہمیشہ حسرت میں مبتلا رہے۔ گریہ وزاری اور تضرع اس کا کام ہو جائے، اس لیے کہ جو اپنے آپ کو ہلاک ہوتے دیکھتا ہے وہ غم وحسرت سے کیسے خالی ہوگا۔ اگر کسی کا لڑکا بیمار ہو اور کوئی طبیب کہہ دے کہ بیماری خطرناک ہے، امیدِ زیست کم ہے تو باپ کا جو حشر ہوگا وہ سبھی کو معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی جان تو بیٹے سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طبیبِ حاذق سے زیادہ سچے ہیں اور آخرت کی ہلاکت کا خوف موت کے خوف سے زیادہ ہے۔ اللہ کے غصہ پر گناہ کی دلالت موت پر بیماری کی دلالت سے بڑھ کر ہے۔ پھر آدمی کو ان امور سے خوف وحسرت پیدا نہ ہو تو مطلب ہے کہ گناہ کے نقصان ابھی اَلَمْ نَشْرَحْ نہیں ہوئے اور جس قدر یہ آگ تیز ہوتی ہے اسی قدر گناہوں کو سیاہ مٹی بنانے میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ گناہوں کے سبب آدمی کے آئینۂ دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اور جو تاریکی چھا جاتی ہے، حسرت وندامت کی آگ کے سوا کوئی چیز اسے دور نہیں کر سکتی۔ اس کی سوزش سے آدمی کا دل صاف اور رقیق ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں توبہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا کیونکہ ان کا دل رقیق ہوتا ہے۔

پیدائش سے موت تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور تمام عمر گناہوں میں غرق رہنا شیطان کا۔ جب کہ نادم ہو کر توبہ کرنا اور معصیت کی راہ چھوڑ کر شاہراہِ عبادت میں قدم دھرنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا کام ہے۔ جس آدمی نے توبہ کر کے پچھلے گناہوں کی تلافی کر لی، اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی نسبت درست کر لی اور جس نے مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کیا اس نے شیطان سے اپنی نسبت مضبوط کر لی۔

توبہ کی شرائط:

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ توبہ ہر ایک گناہ سے ضروری ہے، پس اگر معصیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہو اور کسی آدمی کا حق اس کے ساتھ وابستہ نہ ہو، تو پھر اس کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ معصیت سے باز آجائے، دوسرے یہ کہ اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو۔ اور تیسرے اس بات کا پختہ ارادہ کرے، کہ پھر کبھی اس قسم کی معصیت میں مبتلا نہ ہوں گا۔ لہٰذا ان تینوں شرطوں میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے گی تو توبہ درست نہ ہوگی اور اگر معصیت کسی انسان کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر علماء نے چار شرطیں بیان فرمائیں ہیں، مندرجہ بالا تینوں شرطیں اور چوتھی شرط اس کے علاوہ کہ اس شخص کے حق سے اپنی برأت ظاہر کرے۔ مثلاً: اگر اس کا مال لیا ہے یا اور کوئی اسی قسم کی چیز ہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر کسی قسم کی تہمت وغیرہ لگائی ہے تو اس

کوبھی اجازت دے یا معاف کرائے اوراگر غیبت ہوتو غیبت کواس سے درگزر کرائے اورتمام گناہوں سے توبہ واجب ہے۔

پس اگر بعض گناہوں سے توبہ کی ،تو اہل حق (اہل سنت) کے نزدیک ان گناہوں سے توبہ درست ہوجائی گی اور باقی گناہوں سے توبہ کرنااس کے ذمہ باقی رہے گی۔توبہ کے فرض ہونے پر کتاب اللہ اوراحادیث رسول کے دلائل شاہد ہیں۔ ارشاد باری ہے: تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ.

ترجمہ: اے مسلمانو! اللہ کی طرف رجوع کروتا کہ فلاح وکامیابی حاصل کرو(سورۃ النور)

اوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ.

ترجمہ: تم اپنے رب سے اپنے گناہ معاف کراؤاورتوبہ کرو(سورۃ الہود)

ایک جگہ اورشاد فرمایا:یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا.

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو(سورۃ التحریم)

توبہ کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ان فرشتوں کو بھلا دیتے ہیں جنھوں نے وہ گناہ لکھے ہوتے ہیں اوراس کے ہاتھ پاؤں کو بھلا دیتے ہیں جن سے گناہ کیے تھے اوراس جگہ کوبھی بھلا دیتے ہیں جہاں وہ گناہ سرزد ہوئے تھے، تاکہ جب وہ شخص احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہوتو اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہ نکلے۔

ایک اورحدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا دستِ کرم اس شخص کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں جس نے دن کوگناہ کیا ہو، تاکہ وہ رات کوتوبہ کرے اور میں قبول کرلوں اوراس شخص کے واسطے جس نے رات کوگناہ کیا ہو، تاکہ وہ دن کوتوبہ کرے اور میں قبول کروں۔ یہ دستِ شفقت اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جوشخص گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور فرمایا کہ گناہ سے توبہ کا معنی یہ ہے کہ پھراس گناہ کے قریب بھی نہ جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص مغرب کی طرف سے آفتاب نکلنے سے پہلے توبہ کرگیا تو اس کی توبہ ضرور قبول ہوگی اور فرمایا کہ پشیمانی وندامت ہی توبہ ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب سرورِکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کوگناہ پرنادم جانتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے بخش دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہ گار بندے کی توبہ پرخوشی ہوتی ہے:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس بدوی کی نسبت زیادہ خوش ہوتے ہیں جسے خطرناک جنگل میں نیند آجائے، اس کے پاس ایک اونٹ ہوجس پراس کا زادِراہ اورسرمایہ لدا ہو۔جب جاگے تو اونٹ موجود نہ

ہو، گھبرا کر اٹھے اور سرگرمی سے اس کو تلاش کرنا شروع کردے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہ حال ہوجائے کہ بھوک پیاس کے سبب موت کا خطرہ لاحق ہوجائے۔ وہ بیزار ہوکر اپنی جگہ پلٹ آئے کہ مرنا ہے تو وہیں مرا جائے اور مرنے کے لیے تیار ہوکر بازو پر سر رکھ کر سو جائے۔ اچانک آنکھ کھلے تو اونٹ اسی طرح لدا پھندا سامنے موجود ہو۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے اور خوشی میں یہ کہنے کے بجائے کہ تو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں، یہ کہنے لگے کہ اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ یہ اعرابی بدوی اپنے لٹے ہوئے سرمایہ کو پاکر جتنا خوش ہوتا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہ گار بندے کی توبہ سے خوشی ہوتی ہے۔

بدعتی کی توبہ قبول نہیں ہوتی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا.** (سورۃ الانعام) وہ جنھوں نے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہوگئے) اس سے اہلِ بدعت مراد ہیں۔

ہر گناہ گار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن بدعتی قبولِ توبہ سے محروم رہتا ہے، میں ان سے بیزار ہوں وہ مجھ سے بیزار ہیں۔

زندگی کا ہر سانس قیمتی موتی ہے:

حضرت سلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ انسان اگر کسی چیز پر نہ روئے اور فقط اُس زمانے کا ماتم کرے جو اس نے ضائع کیا تو مرتے دم تک یہی رنج کافی ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو گزرے دور کی طرح آئندہ وقت بھی ضائع کرتا ہے۔ جو شخص اس عزیز وقت کو گناہوں میں صرف کرے گا جو اس کی ہلاکت کا سبب ہو تو اگر اُسے مستقبل کی مصیبت کی خبر ہو تو اس کا کیا حال ہوگا مگر یہ مصیبت ایسی ہے کہ آدمی اس وقت مطلع ہوتا ہے جب حسرت وندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے کتنی صحیح بات فرمائی: **وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ.** (سورۃ المنافقون)

ترجمہ: اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تمھیں دیا۔ اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے پھر وہ کہے کہ اے میرے رب مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دے۔''

اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ مرتے وقت بندہ ''ملک الموت'' کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوچ کا وقت آ گیا تو اس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے، اتنی جس کی کوئی حد نہیں اور کہتا ہے: اے فرشتۂ اجل! مجھے ایک دن کی مہلت دے دے کہ میں توبہ کرلوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے بہت مہلت دی گئی اور اب تیری زندگی کا کوئی دن باقی نہیں۔ وقتِ مقررہ آ پہنچا، وہ ایک ساعت کی مہلت مانگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی ساعتیں گزریں اب کوئی ساعت نہیں۔

فرائض ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا:

فرائض کے بارے میں چاہیے کہ آدمی جس دن سے بالغ ہوا ہے اس دن سے ایک ایک دن کا خیال کرے، اگر نماز فوت ہوگئی ہے یا کپڑا پاک نہیں رکھا، یا اس کی نیت میں فتور تھا اور یہ لاعلم تھا یا عقائد میں خلل تھا تو جتنی نمازیں ہوئیں سب کی قضا کرے۔ اور جس تاریخ سے مال دار ہوا ہے اس تاریخ سے حساب کر کے جتنی زکوٰۃ نہیں دی زکوٰۃ دے، یا دی تو ہو لیکن مستحق کے حوالہ نہ کی ہو تو حساب کر کے زکوٰۃ دے۔ یا اگر رمضان کے روزں میں کوتاہی کی یا نیت بھول گیا یا اس کی شرط ادا نہیں کی تو روزوں کی بھی قضا کرے۔ جن میں شک ہے ان میں جس طرف ظن غالب ہوا سے اختیار کرے اور غور و تامل کر کے جس قدر یقینی ہو اس کا حساب کر لے، باقی قضا کر لے۔

رہ گئے گناہ تو انھیں ابتدائے بلوغ سے دیکھنا چاہیے کہ آنکھ، کان، ہاتھ، زبان، معدہ وغیرہ اعضاء سے کیا کیا گناہ کیے ہیں۔ اگر کبیرہ گناہ ہیں جیسے زنا، لواطت، چوری، شراب نوشی اور دوسرے گناہ جن پر شرعی حد واجب ہے تو ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ حاکم کے سامنے جا کر اقرار کرنا ضروری نہیں کہ وہ حد جاری کرے بلکہ گناہوں کو پوشیدہ رکھے۔ توبہ اور کثرت عبادت سے ان کی تلافی کرے اور صغائر ہوں تو بھی ایسا ہی کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ. (سورۃ الھود)

ترجمہ:　　''نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔ اس نے توبہ کرنی چاہی یہ معلوم نہ تھا کہ توبہ قبول ہوگی یا نہیں۔ لوگوں نے ایک عابد کا پتہ بتایا۔ یہ عابد کے پاس گیا اور کہا کہ میں بڑا گنہگار ہوں۔ ننانوے آدمیوں کو بلا وجہ قتل کیا ہے۔ میری توبہ قبول ہوگی؟ عابد نے کہا نہیں۔ اس شخص نے اس عابد کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔ پھر لوگوں نے ایک عالم کا پتہ دیا۔ اس نے اس عالم سے پوچھا تو اس نے کہا ضرور ہوگی مگر اپنی زمین سے نکل جا کہ یہ فساد کی جگہ ہے اور فلاں جگہ چلا جا۔ وہاں صالح لوگ رہتے ہیں، وہ چلا تو راستے میں مر گیا۔ رحمت و عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک نے کہا کہ اس پر ہماری ولایت ہے۔ ارحم الراحمین کا حکم ہوا کہ اس کی زمین ناپو۔ زمین جو ناپی تو وہ صالح لوگوں کی طرف بالشت بھر بڑھ چکا تھا۔ پس رحمت کے فرشتے اس کی روح کو لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نجات کے لیے یہ شرط نہیں کہ گناہوں کا پلہ بالکل خالی ہو بلکہ نیکی کا پلہ بھاری ہونا چاہیے، اگر تھوڑا سا ہی جھکا ہو تو ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی۔

(ماخوذ: کیمیائے سعادت)

شاہ بلیغ الدین رحمۃ اللہ علیہ

معلمِ قرآن

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمٰی نے کامل بیالیس سال مسجد میں قرآن کا درس دیا۔ خود انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیرالمؤمنین حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے کلام اللہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ کوفے کے تابعی بزرگوں میں ابوعبدالرحمٰن عبداللہ سلمٰی بڑے پائے کے قاری سمجھے جاتے تھے۔ درسِ قرآن کا انھوں نے کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ عمرو بن حریث کے لڑکے کو انھوں نے قرآن پڑھایا تھا۔ عمرو نے نیاز مندی اور محبت میں سواری کا ایک اونٹ اور اس کی جھول نذر کی۔ انھوں نے شکریے کے ساتھ لوٹا دی۔ فرمایا عزیزم! اس کتاب کے پڑھانے کی کوئی اجرت نہیں۔ خود ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے قرآن کس طرح پڑھا تو فرمایا دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک ان آیتوں کے مطالب اور احکام نہ سمجھ لیتا آگے نہ بڑھتا۔ عزیزو! میں قرآن پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کرتا جاتا تھا! یہ کہہ کر بڑی سوگواری سے بولے کہ ہمارے بعد مسلمان اس طرح قرآن پڑھیں گے کہ یہ ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا۔ مطلب ان اللہ کے بندے کا یہ تھا کہ اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا زیادہ میلان باقی نہ رہے گا۔

آج ہم اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو یہ حقیقت واضح طور پر نظر آجائے گی۔ ہم سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ملک اللہ کے نام پر بنا ہے۔ قدر کی رات رمضان میں اس کی ابتدا ہوئی۔ نظامِ اسلام کے کے نفاذ کے لیے ارضِ ہمالہ میں مسلمانوں نے دو گوشے حاصل کیے۔ لیکن اس نظریاتی مملکت میں سب سے زیادہ کسی چیز کی ناقدری کی گئی ہے تو وہ اللہ کی کتاب ہی ہے۔ پاکستان بنتے ہی عربی کو لازمی مضمون کی حیثیت سے نصاب میں داخل ہونا چاہیے تھا اور ڈگری کلاسوں تک تفسیر اور فقہ کی تعلیم کا لازمی انتظام ہونا تھا لیکن برسوں گزر جانے کے باوجود اس ملک کی تعلیمی پالیسی ہر پھر کر وہی ہے جو لادینی مملکتوں میں ہوتی ہے۔ درسگاہوں میں طالب علم کیسے کیسے مطالبات منظور کرا لیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنے کے لیے وہ کبھی کوئی استدعا نہیں کرتے۔ جامعات کے وائس چانسلر ایسے لوگ منتخب ہوتے ہیں جو یا تو نظریۂ پاکستان پر یقین نہیں رکھتے یا اسلامی تعلیمات کو رجعت پسندی کا مظہر سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ کالجوں سے فارغ التحصیل نژادِ نو خزاں رسیدہ خشک پتوں کی طرح آوارہ گرد رہتی ہے۔ ان کا کوئی نصب العین نہیں، انھیں قرآن، حدیث اور احکامِ اسلام کے بارے میں اتنا بھی نہیں معلوم جتنا علم فلمی گانوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاریخِ اسلام میں سب سے پہلے نصابِ تعلیم بنایا تو قرآن کی تعلیم اور فوجی تربیت کو سب سے مقدم رکھا۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ سلمٰی اپنے شاگردوں کو قرآن پڑھاتے تو انھیں اس کی پابندی پر بھی آمادہ کرتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ خود نمونہ بن کر انھیں بتلاتے۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں اسی بات کا فقدان ہے۔

طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ ابوعبدالرحمٰن درس دینے کی خاطر اور باجماعت نماز کے لیے ہمیشہ مسجد میں بیٹھے رہتے۔ حتیٰ کہ آخری عمر میں بیمار پڑے۔ بیماری حد سے بڑھی تو عزیزوں، رشتہ داروں نے کہا خدارا! اب تو گھر چلیے! مرض الموت میں بولے کہ میں نے سنا ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جو مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں ہوتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ عزیزو! جب یہ بات ہے تو کیوں نہ میں مسجد ہی میں مروں!　　　　(ماخوذ: تجلی)

مولانا عابد الرحمٰن صدیقی

کھانے کے آداب

امورِ خیر میں سے ہر کام کو داہنے ہاتھ سے کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ پاکیزگی حاصل کرنے اور کھانے کے لیے ہوتا تھا اور بایاں ہاتھ آپ استنجا کرنے کے لیے، اور جو کچھ گندگی کی چیزیں ہوں ان کے لیے استعمال کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ کا استعمال اپنی تمام چیزوں میں پسند فرماتے تھے۔ اپنے وضو کرنے میں اور اپنی کنگھی کرنے میں، اپنے جوتے پہننے میں۔ (بخاری و مسلم)

بسم اللہ پڑھ کر کھانا:

عَن عُمَرَ بُنِ اَبِی سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُمَا قَالَ: قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسَلَّم ”سَمِّ اللّٰہَ وَکُلُ بِیَمِیُنِکَ، وَکُلُ مِمَّا یَلِیُکَ“ مُتَّفَقٌ عَلَیہِ.

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر (کھانا) کھاؤ اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔

وَعَن جَابِرٍ رضی اللّٰہُ عَنہُ قَالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّم یَقُولُ: ”اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَیُتَہٗ فَذَکَرَ اللّٰہَ تَعَالیٰ عِندَ دُخُولِہٖ وَعِندَ طَعَامِہٖ قَالَ الشَّیطَانُ لِاَ صُحَابِہٖ: لَامَبِیُتَ لَکُم وَلَاعَشَآءَ، وَاِذَا دَخَلَ فَلَمُ یَذکُرِ اللّٰہِ تَعَالیٰ عِندَ دُخُولِہٖ قَالَ الشَّیطَانُ: اَدرَکتُمُ المَبِیتَ، وَاِذَا لَم یَذکُرِ اللّٰہَ تَعَالیٰ، عِندَ طَعَامِہٖ قَالَ: اَدرَکتُمُ المَبِیُتَ وَالعَشَآءَ“ رَوَاہُ مُسلِمٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں قدم رکھتے ہی اللہ رب العزت کو یاد کرے اور کھانا کھاتے وقت بھی (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے) تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ چلو تمہارے لیے گھر میں نہ تو رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے، اور جو اس طرح گھر میں داخل ہو کہ اللہ رب العزت کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تم کو ٹھکانا تو مل گیا ہے اور جب کھانا کھاتے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کھانا اور ٹھکانا دونوں چیزیں تم کو مل گئیں۔

وَعَن اُمَیَّۃَ بُنِ مَخُشِیِّ الصَّحَابِیِّ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جَالِسًا وَرَجُلٌ یَاکُلُ فَلَم یُسَمِّ اللّٰہَ حَتّٰی لَم یَبُقَ مِن طَعَامِہٖ اِلَّا لُقُمَۃٌ، فَلَمَّا رَفَعَھَا اِلیٰ فِیُہِ قَالَ: بِسمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ فَضَحِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیُہِ وَسَلَّم قَال: ”مَازَالَ الشَّیُطَانُ یَاکُلُ مَعَہٗ، فَلَمَّا ذَکَرَ اسُمَ

اللّٰہِ اسْتَقَاءَ مَافِی بَطْنِہٖ“ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنِّسَآئِیُّ.

ترجمہ: حضرت امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) تشریف فرما تھے، اور ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اور اس نے اللہ کا نام نہیں لیا (بسم اللہ نہیں پڑھی) یہاں تک کہ اس کے کھانے میں سوائے ایک لقمہ کے اور کوئی چیز باقی نہ رہی جب اس لقمہ کو اپنے منہ میں لے جانے لگا تو کہا ”بسم اللہ اولہ وآخرہ“ (یہ منظر دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شیطان برابر اس کے ساتھ کھانا کھاتا رہا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا (بسم اللہ پڑھی) تو شیطان نے جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا اس کو باہر الٹ دیا۔

کھانے میں عیب نہ نکالنا اور اس کی تعریف کا استحباب:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَاعَابَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم طَعَامًا قَطُّ: اِنِ اشْتَھَاہُ اَکَلَہٗ وَاِنَ کَرِھَہٗ تَرَکَہٗ، مُتَّفَقٌ عَلَیہِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ نے کبھی بھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر اس کی خواہش اور رغبت ہوتی تو تناول فرمالیتے اور اگر اس کی رغبت نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے۔

وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سَأَلَ اَھْلَہُ الْاُدُمَ فَقَالُوا: ما عِندَنَا اِلَّا خَلٌّ، فَدَعَابِہٖ، فَجَعَلَ یَأْکُلُ وَیَقُوْلُ: ”نِعْمَ الْاُدُمُ الخَلُّ، نِعْمَ الْاُدُمُ الخَلُّ“ رَوَاہُ مُسلِمٌ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن طلب فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس سرکہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو منگوالیا اور کھانے لگے اور فرماتے جاتے کہ بہترین سالن سرکہ ہے، بہترین سالن سرکہ ہے (مسلم)۔

اپنے سامنے سے کھانا اور جس کو کھانے کا طریقہ نہ آتا ہو اس کو تعلیم دینے کا بیان:

عَن عُمَرَ بْنِ اَبِی سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُمَا قَالَ: کُنتُ غُلَامًا فِی حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَم وَکَانَتْ یَدِیْ تَطِیْشُ فِیْ الصَّحْفَۃِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ”یَاغُلَامُ سَمِّ اللّٰہَ، وِکُلْ بِیَمِیْنِکَ، وَکُل مِمَّا یَلِیْکَ“ مُتَّفَقٌ عَلَیہِ،

ترجمہ: حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور تربیت میں تھا میرا ہاتھ (کھانے کے وقت) پیالے میں گھومتا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے لڑکے اللہ کا نام لے (یعنی بسم اللہ پڑھ) اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھا، اور اپنے سامنے سے کھا۔

پیالہ اور برتن کے کنارہ سے کھانے کا حکم اور برتن کے درمیان سے کھانے کی ممانعت:

وَعَنِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ: ”البَرَکَۃُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَکُلُوْا مِن حَافَتَیْہِ وَلَا تَأْکُلُوا مِن وَسَطِہٖ“ رَوَاہُ اَبُو دَاوٗدَ، وَالتِّرمِذِیُّ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے تو اس کے کناروں پر سے کھاؤ اور اس کے درمیان میں سے نہ کھاؤ۔

وَعَنْ عَبدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی الله عنه قَالَ: كَانَ لِلنَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَصْعَةٌ يُقَالُ لَهَا الغَرَّآءُ يَحْمِلُهَا اَربَعَةُ رِجَالٍ فَلَمَّا اَضْحَوْا وَسَجَدُوْا الضُّحىٰ اُتِيَ بِتِلكَ القَصْعَةِ، يَعنِي وَقَد ثُرِّدَ فِيهَا، فَالتَفُّوْا عَلَيهَا، فَلَمَّا كَثُرُوا جَثَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ اَعرَابِيٌّ مَاهٰذِهِ الجِلْسَةُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم "اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِي عَبدًا كَرِيمًا وَّلَم يَجْعَلْنِي جَبَّارًا عَنِيدًا" ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم "كُلُوْا مِن حَوَالَيْهَا وَدَعُوْا ذِرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيهَا" رَوَاهُ اَبُو دَاوُد.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو "غراء" کہا جاتا تھا (اور وہ بہت وزنی تھا) اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے، سو جب چاشت کا وقت ہوتا اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو اس پیالہ کو لایا جاتا اور اس میں ثرید (ایک قسم کا کھانا) تیار کیا جاتا، تو اس کے اردگرد سب لوگ بیٹھ جاتے اور جب آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔ (ایک روز) ایک دیہاتی نے کہا کہ یہ کیسی نشست ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے مجھے متواضع بندہ بنایا ہے اور مجھ کو سرکش اور حق سے روگردانی کرنے والا نہیں بنایا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پیالے کے کناروں پر سے کھاؤ اور اس کے بلند حصہ کو چھوڑ دو، کیونکہ اس میں برکت نازل کی جائے گی۔

فوائد: برتن کے دمیان کا حصہ افضل اور عمدہ ہے، اس لیے اس میں برکات کا نزول ہوتا ہے اور جب درمیان کا کھانا محل برکت ہوا، تو اس کا آخر تک باقی رکھنا مناسب اور افضل ہے، تاکہ برکات باقی رہیں اور اس کا فنا اور ختم کردینا اچھا نہیں ہے، اس لیے حکم ہوا کہ کناروں پر سے کھاؤ اور اس کے اعلیٰ یعنی درمیانی حصہ میں سے نہ کھاؤ، واللہ اعلم۔

جو شخص کہ کھائے اور سیر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا اور کیا کہنا چاہیے:

عَنْ وَحشِي بْنِ حَرْبٍ رضی الله عنه اَنَّ اَصحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالُوا: يَارَسولَ اللّٰهِ اِنَّا نَأ كُلُ وَلَا نَشْبَعُ؟ قَالَ: "فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ" قَالُوا: نَعَمْ. قَالَ: "فَاجْتَمِعُوْا عَلىٰ طَعَامِكُمْ، وَاذكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ" رَوَاهُ اَبُو دَاوُدَ.

ترجمہ: حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کھاتے ہیں، اور سیر نہیں ہوتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید تم الگ الگ ہو کر کھاتے ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب اپنے کھانے پر جمع ہو کر کھاؤ اور اللہ رب العزت کا نام لے لو، تمہارے لیے اس چیز میں برکت دی جائے گی۔

انگلیوں اور پیالے (برتن) کو چاٹنا، گرے ہوئے لقمہ کو کھانا:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَ قَالَ: اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَأْخُذْهَا وَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذٰى وَلْيَأْكُلْهَا وَ لَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ، وَ اَمَرَنَا أَنْ نَسْلُتَ الْقَصْعَةَ وَ قَالَ: اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیتے اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھالینا چاہیے، اس سے گندگی کو دور کر دے اور اس کو کھالے، اور شیطان کے لیے اس کو نہ چھوڑے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمھارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔

تکیہ (ٹیک) لگا کر کھانا کھانے کی کراہت کا بیان:

حضرت ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ (صحیح بخاری)

امام نووی بیان فرماتے ہیں کہ امام خطابی نے کہا ہے کہ تکیہ لگانے والے سے اس جگہ مراد وہ شخص ہے جو کہ کسی ایسے بستر وغیرہ پر ٹیک لگائے ہوئے جو اس کے نیچے ہو اور خطابی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان بستروں اور تکیوں کے سہارے سے نہ بیٹھے، اس شخص کی طرح جو کہ زیادہ کھانے کا ارادہ رکھتا ہو، بلکہ مجتمع ہو کر بیٹھے۔ تکیہ پر ٹیک نہ لگائے اور اس کو کافی سمجھ کر کھائے۔ بعض اہل علم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تکیہ لگانے والے سے مراد وہ شخص ہے جو کہ ایک جانب جھک کر کھائے۔ واللہ اعلم

حمد وثنا پر اختتام کرنا:

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ اَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه" رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ.

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کھانا کھایا اور اس کے بعد یہ کلمات کہے ''**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِحَوْلٍ مِنِّي وَلَاقُوَّة**''

یعنی تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو کھانا کھلایا اور مجھ کو زرق عطا کیا بغیر میری کوشش اور طاقت کے تو اس کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

❁......❁......❁

محمد سلمان قریشی

حمد باری تعالیٰ

تیرا وُجود اے ربِ تعالیٰ ظاہر ظاہر پنہاں پنہاں
عقل نے جب جب سوچا تجھ کو ہوتی گئی وہ حیراں حیراں

بادِ صبا میں، کالی گھٹا میں، رنگِ شفق میں اور دھنک میں
تیرا ہی جلوہ ہم نے دیکھا مدھم مدھم افشاں افشاں

حجر، شجر بھی، شمس و قمر بھی، حور و غلماں اور مَلک بھی
ذکر تیرا ہی کرتے ہیں سب حیواں حیواں انساں انساں

صحرا صحرا، گلشن گلشن، سرو سمن میں مشکِ خُتن میں
تیری ہی خوشبو پائی ہم نے سُنبل سُنبل ریحاں ریحاں

نورِ سحر میں، برق و شرر میں، اہلِ نظر کی دیدۂ تر میں
تجھ کو ہی یکتا ہم نے پایا قطرہ قطرہ نیساں نیساں

جھرنے، ندیاں، دریا، سمندر، تیرا ہی سِکّہ چلتے دیکھا
ذات تیری کو دیکھا ہم نے مشکل مشکل آساں آساں

آ کے غموں نے جب بھی گھیرا میرے لبوں پر نام تھا تیرا
ذِکر سے تیرے دل ہوا اپنا شاداں شاداں فرحاں فرحاں

غوث، قطب ہوں، یا کہ ولی ہوں، پیارے صحابہؓ یا کہ نبیؐ ہوں
جُھک گئے تیرے در پر سارے آقا آقا شاہاں شاہاں

اُمِ حرامؓ ہوں یا کہ سُمیّہؓ، زیدؓ و عمرؓ ہوں یا کہ علیؓ ہوں
کٹ گئے تیرے دین کی خاطر حمزہؓ حمزہؓ عثماںؓ عثماںؓ

تیری اطاعت میں ہی گزاروں سننِ نبیؐ سے خود کو سنواروں
حسنِ عمل سے دل کو کر دے روشن روشن تاباں تاباں

گرد تیرے کعبے کے میں گھوموں، روضے کی میں جالیاں چوموں
در پہ بلا کے پوری کر دے حسرت حسرت ارماں ارماں

مجھ کو سیدھی راہ دکھانا، شرک و بدعت سے تو ہی بچانا
دل کو کرنا نور سے اپنے روشن روشن تاباں تاباں

سلمانؔ کو اپنے دین کی خاطر کر کے قبول اے ربِ دو عالم
دے کے شہادت پوری کر دے حسرت حسرت ارماں ارماں

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

خطاب: مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ قسط: اوّل

وحدتِ اُمّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

میرے بزرگو اور دوستو! یہ امر ایک حقیقت ہے، اس میں کسی تواضع کا دخل نہیں کہ ابتداءِ عمر سے نہ کبھی کوئی خطیب رہا نہ واعظ اور نہ بڑے مجمعوں کو خطاب کرنے کا عادی۔ میری پوری عمر پڑھنے پڑھانے میں گزری یا پھر کچھ کاغذ کالے کرنے میں۔ عام مسلمانوں کی ضرورت کے مطابق مختلف رسائل پر تصنیف کا سلسلہ رہا اور میرے بزرگوں نے اپنے حسنِ ظن سے خدمتِ فتویٰ میرے سپرد فرمادی۔ عمر کا ایک بہت بڑا حصہ اس میں صَرف ہوا۔

ہمارے محترم حکیم عبدالرشید اشرف صاحب نے اپنے حسنِ ظن اور کرم فرمائی سے مجھے یہاں لا بٹھایا اور جو عنوان مجھے کلام کرنے کے لیے حوالہ فرمایا، وہ جس طرح اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایسا یقینی اور واضح ہے کہ اس میں دو رائے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی طرح ہمارے معاشرے میں اس کا وجود ایسا کمیاب ہے کہ اپنے معاشرہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس موضوع پر زبان کھولنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مجھے عنوان یہ دیا گیا ہے کہ اُمتِ اسلامیہ ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح اور ناقابلِ انکار حقیقت ضرور ہے، مگر ہمارے حالات و واقعاتِ دنیا کو اس کے خلاف یہ دکھلا رہے ہیں کہ یہ اُمت ایک ناقابلِ اجتماع تشتت ہے۔ اپنے حالات وخصوصیاتِ وقت سے صرفِ نظر کر کے مسئلہ کے دلائل پر بحث ایک نِرا فلسفہ ہے جس سے ہماری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے اس مسئلہ کے مثبت پہلو پر کچھ کلام کرنے سے زیادہ اس کے منفی پہلو افتراق وتشتت اور اس کے اسباب پر غور اور اس کے علاج کی فکر کرنا ہے۔

جہاں تک اسلام کی دعوتِ اتحاد اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ کل انسانوں کو ایک قوم، ایک خاندان اور ایک برادری قرار دینے کا معاملہ ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو۔ قرآن کریم کے واضح الفاظ: ﴿خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ﴾ میں تمام بنی نوع اور بنی آدم انسان کو، ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں رسول کریم ﷺ نے جو اُس وقت کے مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماع میں ہدایتی اصول ارشاد فرمائے ان میں اس بات کو بڑی اہمیت سے ذکر فرمایا کہ:

''اسلام میں کالے گورے، عربی عجمی وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں۔ سب ایک ماں باپ سے پیدا ہونے والے افراد ہیں۔''

اس ارشاد کے ذریعے جاہلانہ وحدتیں جو نسب اور خاندان کی بنیاد پر یا وطن اور رنگ اور زبان کی بنیاد پر لوگوں نے قائم کر لی تھیں، ان سب کے بُتوں کو توڑ کر صرف خدا پرستی اور دین کی وحدت کو قائم فرمایا۔

یہی وہ حقیقی وحدت ہے جو مشرق و مغرب کے تمام بنی آدم اور نوع انسان کے تمام افراد کو متحد کر کے ایک قوم اور ایک برادری بنا سکتی ہے اور سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے۔ نسب اور وطن یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر جو وحدتیں اہل جاہلیت نے قائم کر لی تھیں اور آج کی مزعومہ روشن خیالی کے دور میں پھر انہی کی پرستش کی جا رہی ہے ان وحدتوں کی بنیاد پر ہی انسانوں کے طبقات میں تفرقہ ہے اور تفرقہ بھی ایسا جس کو کسی عمل اور کوشش سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ جو کالا ہے وہ گورا نہیں بن سکتا، جو نسب میں سید یا شیخ نہیں وہ کسی سعی و عمل سے شیخ یا سید نہیں بن سکتا۔

اسلام نے ایک ایسی وحدت کی طرف دعوت دی جس میں تمام انسانی افراد بلا کسی مشقت کے شریک ہو سکتے ہیں، اور یہ وحدت چونکہ ایک مالک حقیقی وحدہٗ لاشریک لہٗ کے تعلق اور اس کی اشاعت سے وابستہ ہے، اس لیے بلاشبہ ناقابلِ تقسیم ہے۔

جو عنوان اس مجلس میں مجھے دیا گیا ہے اس کے مثبت پہلو پر تو اتنی گزارش بھی کافی سمجھتا ہوں۔ مگر اب یہ دیکھتا ہوں کہ یہ ایک عقیدہ اور نظریہ ہے جو زبانوں پر جاری اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن جب اپنے گردوپیش ہی نہیں، بلکہ مشرق و مغرب کے انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے برعکس یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ملت ایک تفرقہ ہے، جس میں اجتماع کا امکان دُور دُور نہیں۔ وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک خدا کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی:

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ﴾ (النساء: ۱)

اور پھر مسلسل دعوت اور افہام و تفہیم کے باوجود لوگ اس برادری سے کٹ گئے، ان کو ایک جداگانہ قوم قرار دے کر خدا تعالیٰ کے ماننے والوں کو حسبِ دستور ایک قوم، ایک ملت اور ایک برادری بنا کر بنیانِ مرصوص، سیسہ پلائی ہوئی ناقابلِ شکست دیوار بنایا تھا، آج وہ ملت ہی طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا، ایک دوسرے سے بیزار اور برسرِ پیکار نظر آتی ہے۔ اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے، نسبتی برادریوں کی تفریق، پیشوں اور کاروبار کی تقسیم اور امیر غریب کا تفرقہ تو بنیادِ منافرت تھی ہی، زیادہ افسوس اس کا ہے کہ دین اور خدا پرستی غیروں کو اپنا بنانے اور نسبی، نسلی، وطنی اور لسانی تفرقوں کو مٹانے ہی کا نسخۂ اکسیر تھا، آج وہ بھی ہمارے لیے جنگ و جدل، عداوتوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا، جس نے پوری ملت کو دینی و دُنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آ رہا۔ ہماری ہر تنظیم تفریق اور ہر اجتماع افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اور یہی وہ روگ ہے جس نے ملتِ اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے۔ ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک، ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ہر قوم کی یلغار ہے۔ ایک طرف حکومت و اقتدار اور اقتصادیات و تجارت میں ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف ملحدانہ تلبیسات کے ذریعہ ان کے عقائد و نظریات کو متزلزل اور ان کی خدا پرستی کے اصول کو نئی تعلیم و تہذیب اور خیر خواہی اور ہمدردی کے عنوان سے ہوا پرستی میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ دورِ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علم دین سے محروم اور حقائق سے ناآشنا کر دیے گئے، اب گھر کی دولت علم و فکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے، اسی کو سرمایۂ سعادت

سمجھنے لگے، خصوصاً جب کہ اس تعلیم وتہذیب کے سایہ میں نفس کی بے لگام خواہشات اور عیش وعشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے، اور ہمارے علماء اہلِ فکر ونظر اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے اُلجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں۔

اسبابِ مرض اور علاج

آج کی اس مجلس میں ملت کا درد رکھنے والے علماء، فضلاء اور مفکرین کا اجتماع نظر آتا ہے، دل چاہتا ہے کہ ملت کے اس مرض کے اسباب اور اس کے علاج پر کچھ غور کیا جائے۔

امیرؔ! جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے!

سب سے پہلے مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آراء کا اختلاف نہ مضر ہے، نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے۔ اختلافِ رائے نہ وحدتِ اسلامی کے منافی ہے نہ کسی کے لیے مضر، بلکہ اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے، جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا، نہ رہ سکتا ہے۔ کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاقِ رائے صرف دو صورتوں میں ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس لیے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لیے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں۔ دوسرے اس صورت میں مکمل اتفاقِ رائے ہوسکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔ اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلافِ رائے نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اختلافِ رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر حالات ومعاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے تو اختلافِ رائے اگر اپنی حدود کے اندر ہے تو وہ کبھی کسی قوم و جماعت کے لیے مضر نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشاء ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آراء سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جا سکے۔ اگر اختلافِ رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ وتابعینؒ میں اختلافِ رائے اور اس کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلافِ رائے خود رسول کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں آپ ﷺ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور عام صحابہ کرام j کے عہد میں امورِ انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل سامنے آئے، جن کا قرآن وحدیث میں صراحتاً ذکر نہ تھا یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن وسنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی

مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلافِ رائے ہوا، جس کا ہونا عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں اور مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں، ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے، اور اس کے اختلافِ رائے پر باہمی بحث ومباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال وحرام، جائز و ناجائز میں بھی صحابہ کرام j کی آراء کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ پھر صحابہ کرام j کے شاگرد حضرات تابعین کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی اور کوئی ان کے مقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی، لیکن صحابہؓ وتابعین کے اس پورے خیر القرون میں، اس کے بعد ائمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں، یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے روکتے ہوں، یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان و اقامت کے صیغوں میں، قراءتِ فاتحہ اور رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے۔ ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدل یا سب وشتم، توہین، استہزاء اور فقرہ بازی کا تو ان مقدس زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبدالبر قرطبی نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال الفاظِ ذیل میں بیان کیا ہے:

> **عن یحییٰ بن سعید قال ما برح اہل الفتویٰ یفتون فیحل ھذا ویحرّم ھذا فلا یریٰ المحرم المحل ھلک لتحلیله ولا یریٰ المحل ان المحرم ھلک لتحریمه** (۱)
>
> ''یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا۔''

اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فقیہہ مدینہ حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کر لیں کافی ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا اُسوہ موجود ہے۔

ایک شبہ اور جواب:

یہاں اصولِ دین اور اسبابِ اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، جائز بھی ہو اور ناجائز بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح

ہو گی، پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے؟ جس کو ایک آدمی غلط سمجھتا ہے اس کو غلط کہنا عین دیانت ہے۔ جواب یہ ہے کہ کلام مطلق حلال وحرام اور جائز و ناجائز میں نہیں، کیونکہ قرآن وسنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں۔ جیسے سود، شراب، جوا، رشوت وغیرہ۔ ان میں دورائے نہیں ہو سکتیں اور سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہو سکتا تھا؟ اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے بینات اور واضح نصوص کا انکار کرنا بہ اتفاقِ اُمت گمراہی اور الحاد ہے، اور جو ایسا کرے اس سے بیزاری اور براءت کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس میں رواداری ممنوع ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف کی رائے کا احترام صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن وسنت میں صراحتاً مذکور نہیں، یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال یا ابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح وتفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہو سکتا، یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے۔ ان سب صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن وسنت اور تعاملِ صحابہ وغیرہ میں غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشاء اور مفہوم کیا ہے اور اس سے کیا احکام نکلتے ہیں؟ اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد اصولِ اجتہاد کے مطابق قرآن وسنت اور تعامل صحابہؓ وغیرہ میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں کام جائز ہے اور دوسرا عالم مجتہد اِن ہی اصولوں میں پورا غور وفکر کر کے اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے۔ ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر وثواب کے مستحق ہیں، کسی پر کوئی عتاب نہیں۔ جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے اس کو دوہرا اجر وثواب اور جس کی صحیح نہیں اس کو ایک اجر ملے گا۔ اسی سے بعض اہل علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول حق وصحیح ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، تمام احکام، عبادات ومعاملات سے اللہ تعالیٰ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں، بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے۔ جب دونوں نے اپنی اپنی غور وفکر اور قوتِ اجتہاد شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے۔ دونوں صحیح جواب ہیں، مگر جمہور اُمت اور ائمہ مجتہدین کی تحقیق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ان دونوں میں سے کوئی ایک حق وصحیح ہوتا ہے، تو جو لوگ اپنے اجتہاد سے اس حق کو پالیں وہ ہر حیثیت سے کامیاب اور دوہرے اجر کے مستحق ہیں، اور جو مقدور بھر کوشش کے باوجود اس حق تک نہ پہنچیں تو معذور ہیں، ان پر کوئی ملامت نہیں، بلکہ ان کے سعی وعمل کا ایک اجر اُن کو بھی ملتا ہے۔

ایک اہم واقعہ، اہم نکتہ:

ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔ قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیّدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا: حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی۔

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں، جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں: عمر ضائع کر دی! میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا!

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ’’صواب محتمل الخطا (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو ’’خطا محتمل الصواب‘‘ (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں۔ اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا، جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، دنیا میں بھی ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ یہ تھے:

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابوحنیفہ کو نہ مالک کو نہ احمد بن حنبل کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا، یا شافعی نے غلط کہا تھا، یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا!

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں اور نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے، اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرامؑ لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ

منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی' آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی۔ یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہی ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں۔ اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا' وہ پھیل رہے ہیں' گمراہی پھیل رہی ہے' الحاد آرہا ہے' شرک و بت پرستی چلی آرہی ہے' حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے' لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں!

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

سلف صالحین میں اختلاف ہو تو لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟:

ایسے ہی اختلاف کے متعلق جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی دورائیں ہوں' امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

احد القولين خطأ والاثم فيه موضوع (۲)

''متضاد اقوال میں سے ایک خطا ہے' مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے''۔

اور امام مالکؒ سے صحابہ کرام j کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

خطأ وصواب فانظر فی ذٰلک (۳)

''ان میں بعض خطا ہیں' بعض صواب وصحیح' تو عمل کرنے والے اہل اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہیے۔''

امام مالکؒ نے اپنے اس ارشاد میں جس طرح یہ واضح کر دیا کہ اختلافِ اجتہادی میں ایک جانب صواب وصحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے' دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں' اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس اختلاف وخطا دونوں میں باہم جھگڑا اور جدال جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھتا ہے' اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطا پر متنبہ کر دے۔ پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت کرے۔ جدال اور جھگڑا یا بدگوئی نہ کرے۔

حضرت امامؒ کے ارشاد کا پورا متن یہ ہے:

کان مالک يقول المراء والجدال فی العلم يذهب بنور العلم من قلب العبد' وقيل له رجل له علم بالسّنة فهو يجادل عنها' قال ولكن ليخبر بالسنة فان قبل منه والاسكت (٤)

''حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم حاصل ہے' کیا وہ حفاظتِ سنت کے لیے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں! بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے' پھر وہ قبول کرلے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے۔ (نزاع وجدال سے پرہیز کرے۔)''

محمد بن عبدالرحمٰن صیرفیؒ نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ باہم مختلف ہوں

تو کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان میں غور وفکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ان میں صحیح صواب کس کا قول ہے؟ تو فرمایا:

لا یجوز النظر بین اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اختلاف میں لوگوں کو غور وفکر ہی نہ کرنا چاہیے۔''

صیرفیؒ نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں؟

تقلّد ایھم شئتَ (۵) ''ان میں سے جس کا چاہو اتباع کرلو۔ (یہی کافی ہے۔)''

ائمہ مجتہدین کے ان اقوال میں ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ کا مسلک تو یہ ہوا کہ جب صحابہ کرامؓ کا باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو بعد کے فقہاء کو چاہیے کہ دلائل میں غور کر کے جس کا قول سنت سے زیادہ قریب تر سمجھیں اس کو اختیار کرلیں، اور امام احمدؒ کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں، دونوں طرف جب صحابہؓ ہیں تو جس کا قول چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ میں ایک مسئلہ میں باہمی اختلاف ہو رہا تھا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ''افسوس! رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں۔'' پھر ان دونوں کے اختلافات کا فیصلہ اس طرح فرمایا: **صدق اُبیّ ولم یأل ابن مسعود** یعنی ''صحیح بات تو اُبی بن کعبؓ کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعودؓ نے بھی نہیں کی''۔ پھر فرمایا کہ ''مگر میں آئندہ ایسے مسائل میں جھگڑا کرتا ہوا کسی کو نہ دیکھوں، ورنہ اتنی سزا دوں گا''۔ (٦)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اجتہادی مسائل واختلافات میں ایک قول صواب وصحیح ہوتا ہے، اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں خلاف واختلاف پر زیادہ زور دینا مقتدایانِ اہل علم کے لیے مناسب نہیں، جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع وجدال کے خطرات پیدا ہو جائیں۔

امام شافعیؒ کے ایک مفصل کلام کو نقل کر کے ابن عبدالبرؒ نے فرمایا کہ امام شافعیؒ کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہ کرنا چاہیے۔ یعنی ان میں کوئی ایک دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی اور خطا پر ہیں۔ (٧) وجہ یہ ہے کہ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب وصحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطا وغلط کہے۔ اجتہاد اور پورے غور وفکر کے بعد بھی جو رائے قائم کی ہے اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح وصواب ہے، مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہے اور ہوسکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح وصواب ہو۔

خلاصہ یہ کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علماء کے نزدیک علم الٰہی کے اعتبار سے دو مختلف آراء میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے، مگر اس کا متعین کرنا کہ ان میں سے حق کیا ہے، اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں، دونوں طرف خطا و صواب کا احتمال دائر ہے۔ مجتہد اپنے غور وفکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لیے اختیار کر لیتا ہے۔

جاری ہے

سوالات: محمد احمد حافظ

عمرِ رفتہ کی چند شیریں یادیں

حضرت مولانا محمد صدّیق رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان سے ایک یادگار تحریری مکالمہ

یادگارِ اَسلاف، اُستاذ العلماء، اُسوۃ الصلحاء، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب ۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/ ۱۸/ فروری ۲۰۱۶ء جمعرات کے روز ملتان میں انتقال فرما گئے...... اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن ...... دِل بے قرار و بے چین ہے، اور کسی طرح یقین کرنے کو تیار نہیں، مگر تابہ کے؟...... موت اٹل حقیقت ہے، اس سے کسی کو بھی جائے فرار نہیں۔ حضرت رحمہ اللہ آیۃ الخیر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث تھے۔ ’خیر المدارس جالندھر‘ سے اُستوار ہونے والا رشتہ ءمہر و وفا تقریباً پون صدی تازہ رہا۔ آپ اَکابر و اَسلاف کی جملہ حسین و دَرخشاں روایات کے اَمین اور علماء دیوبند کے فکر و خیال کی سچی تفسیر تھے...... اَکل کھرے...... سیاہ کو سفید نہ کہنے والے...... جو بات حق جانتے برملا کہتے۔ اب اس طرح کے یادگارِ زمانہ لوگ رہ ہی کتنے گئے ہیں؟۔ تاحیاۃ آپ مسندِ تدریس پر فائز رہے، اور علم کی خوشبو بانٹتے رہے۔ اَندرون و بیرون ملک آپ کے ہزاروں تلامذہ دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ کچھ عرصہ قبل راقم نے ماہنامہ ’وِفاق المدارس‘ ملتان کے لیے آپ کی حیاۃ و خدمات کے حوالے سے تحریری سوالات آپ کی خدمت میں بھیجے تھے، ضعف و علالت کے باوجود آپ نے کمال شفقت اور بشاشت قلب کے ساتھ ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ یوں ایک تحریری مکالمے کی صورت بن گئی۔ اس تحریری مکالمے میں جہاں آپ کے اپنے قلم سے زندگی کے مختلف گوشے سامنے آئے وہیں فکر و نظر کے دریچے بھی وَا ہوئے۔ رسوخ فی العلم کسے کہتے ہیں؟ مکمل انٹرویو پڑھ کر ہی آپ کو اندازہ ہوگا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انٹرویو آپ کا پیغام آخریں بھی ہے اور اَپنے تلامذہ کے لیے وصیت و نصیحت بھی!...... محمد اَحمد حافظ

سوال: ...... حضرت والا سے درخواست ہے کہ اپنی پیدائش، آبائی علاقے، خاندانی ماحول کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں؟

جواب: ...... میرا نام محمد صدیق بن حاجی نبی بخش ہے۔ میری پیدائش ۱۳۴۵ ہجری مطابق ۱۹۲۶ء میں ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک دیہات چک نمبر ۲۵۱ گ ب ”اُ گی“ میں ہوئی۔ ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں، بندہ ان سب سے چھوٹا ہے۔ خاندانی ماحول کاشت کاری کا تھا اسی وجہ سے میرے والد صاحب بھی کاشت کار تھے۔ بندہ نے ۱۳۵۱ ہجری/ ۱۹۳۲ء میں سکول کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور ۱۳۵۹ ہجری/ ۱۹۴۰ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔

ہمارے گاؤں کے زمیندار مولانا فتح الدین صاحب (مرحوم) تھے بندہ کے والد محترم اُن کی زمین کاشت کرتے تھے۔ انہوں نے والد محترم سے فرمایا کہ اپنے بچے کو دین پڑھاؤ تو والد محترم نے ان کے کہنے پر بندہ کو مولانا عبد المجید صاحب (مرحوم) جو مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل تھے اور ہمارے گاؤں کی جامع مسجد کے خطیب تھے کے پاس دینی کتابیں پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ بندہ نے ان کے پاس مفید الطالبین، قدوری شریف، ہدایۃ النحو وغیرہ تک کتابیں

پڑھیں۔اس کے بعد ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا فتح الدین صاحب (مرحوم) اور مولانا عبدالمجید صاحب (مرحوم) نے باہمی مشورہ سے بندہ کو رقعہ دے کر خیرالمدارس جالندھر مزید تعلیم کے لیے بھیجا۔امتحان کے بعد جامعہ خیرالمدارس جالندھر میں بندہ کا داخلہ کنزالدقائق، کافیہ اور ترجمہ قرآن مجید کے درجہ میں ہوا۔پاکستان بننے تک وہیں تعلیم حاصل کی اور پاکستان بننے کے بعد جب جامعہ خیرالمدارس جالندھر سے ملتان آ گیا تو مزید دوسال یہاں آ کر جامعہ خیرالمدارس ملتان میں ہی اپنی تعلیم مکمل کی۔

سوال :......**آپ نے جامعہ خیرالمدارس جالندھر میں تعلیم حاصل کی، اپنے زمانۂ طالب علمی کے متعلق بتائیے گا کہ وہ کیسا دور تھا؟ اس دور کے طلبہ کیسے ہوتے تھے؟ اپنے اساتذہ کے بارے میں کچھ بتائیے؟**

جواب :......جامعہ خیرالمدارس جالندھر میں ہمارا طالبعلمی کا دور خالص محنت کا تھا۔طلبہ ہمہ وقت محنت سے تکرار ومطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔تعداد کم تھی، غیر حاضری کا تصور تک نہ تھا اور نہ ہی آسانی سے رخصت ملتی تھی۔حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہ طلبہ کے لیے رخصت کو ناپسند کرتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کا دن گھومنے پھرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ چھ دن کے آموختہ اسباق یاد کرنے کا ہوتا ہے۔اس دور کے طلبہ نہایت فرمانبردار باادب ہوتے تھے اپنے اساتذہ کی خدمت کو بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے۔اساتذہ سے سبق پوچھنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کرتے تھے۔اس دور کے اساتذہ کرام طلبہ کو خوب محنت کراتے تھے۔

جامعہ خیرالمدارس جالندھر میں بندہ کے اساتذہ کرام:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ہوشیار پوری، حضرت مولانا عبدالجمیل صاحب پشاوری، حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی، حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمہم اللہ

جامعہ خیرالمدارس ملتان میں بندہ کے دورہ حدیث شریف کے اساتذہ کرام:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ/ بخاری شریف

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری رحمہ اللہ/ ترمذی شریف وابوداؤد شریف

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ڈیروی رحمہ اللہ/ مسلم شریف

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری رحمہ اللہ/ نسائی، ابن ماجہ، طحاوی ومؤطین۔

بندہ کے تمام اساتذہ اپنی جگہ بہترین استعداد رکھتے تھے، تفہیم میں ماہر تھے، خاص کر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری اسباق ایسے طریقہ سے پڑھاتے تھے کہ سبق اسی وقت یاد ہو جاتا تھا۔حضرت مولانا عبدالجمیل صاحب پشاوری مقامات پڑھانے کے دوران ہر ہفتہ عربی کا مضمون لکھواتے اور تربیت فرماتے تھے۔اساتذہ اس دور میں ایک دوسرے سے استفادہ اورافادہ میں عار نہ سمجھتے تھے۔حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری تو دورانِ سبق اگر کوئی بات سمجھ نہ آتی تو بڑے اساتذہ کے پاس کتاب اٹھا کر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب پوچھنے والے طالبعلم کو خوب مطمئن کرتے تھے۔ اسباق سنتے وقت اگر کوئی طالبعلم سبق نہ سنا سکتا تو فرماتے خرقیو میں تمہیں موتی رول رول کر دیتا ہوں اور تم قدر نہیں کرتے۔ حضرت کا یہ بھی معمول تھا کہ سبق کی تقریر کر کے کسی ایک کو مخاطب کر کے فرماتے کہ بتاؤ میں نے کیا کہا اس سے طالبعلم متیقظ ہو کر سبق پڑھتے۔

جامعہ خیر المدارس جالندھر میں تین سال طالبعلمی کے نہایت سکون اور محنت سے گزارے اس دور میں کوئی تشویش نہ تھی۔ جب تحریکِ پاکستان شروع ہوئی، ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تو طلبہ ہمہ وقت پریشان رہتے، سکھوں کے حملہ کے خوف سے راتوں کو جاگ کر پہرہ دیتے تھے اس سال محنت میں کمی آ گئی تھی تعلیمی سال کمزوری سے گزارا۔

سوال :...... بانی جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ بتائیے، ان کی شخصی سیرت، تدریسی انفرادیت...... اور مدرسہ کے اہتمام میں ان کی رائے، طریقہ اور عمل کیا ہوتا تھا؟

بانی جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کی شخصی سیرت:

حضرت کی سیرت کے کامل ہونے کی یہی بڑی دلیل ہے کہ مجدد الملۃ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اتباعِ سنت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بدعت سے خود بھی دور رہتے تھے اور فارغ التحصیل طلبہ کو تاکید کرتے کہ بدعت کے ماحول میں جا کر کبھی بدعت میں شریک نہ ہونا۔ حضرت کی زندگی میں خاندان میں کئی اموات ہوئیں لیکن حضرت نے کبھی بھی تعزیت کے لیے آنے والوں کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کی بلکہ آنے والوں کو تعزیت کا طریقہ اور مسائل سمجھاتے تھے۔ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر بہت مضبوطی سے عمل کرتے اگر کوئی دوست غیر مسلک کی مجالس میں شرکت کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے۔

آپ چلتے تو سنت کے مطابق **کانہ ینحط من صبب** کا مصداق ہوتے، خوشی کے وقت تبسم فرماتے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول گر رہے ہیں۔ طلبہ میں منکر شرعی پر اشد غضباً کا مصداق ہوتے، جالندھر کے زمانہ میں اپنے ہاتھ سے بھی سزا دیتے تھے۔ مہمان نوازی میں علماء کرام کا بہت احترام فرماتے خود ہاتھ میں کھانا چائے وغیرہ اٹھا کر لاتے اور جلسہ کے ایام میں خود ہر کمرہ میں جا کر مہمانوں کو پوچھتے صرف خدام پر انحصار نہ فرماتے۔ بندہ نے حضرت کے بہت قریب رہ کر وقت گزارا۔ الحمد للہ نہ میں نے کبھی کسی کی غیبت کی اور نہ حضرت نے کبھی کسی کی غیبت سنی آپ کی مجلس غیبت سے پاک ہوتی تھی۔ حضرت میں عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی حتی الوسع صف اولیٰ کا اہتمام کرتے تھے لیکن کسی مجبوری کے وقت میں مسجد میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اپنے لیے کسی جگہ کو خاص نہ فرماتے اور نہ ہی کسی جگہ پر جانے کو پسند فرماتے۔

جامعہ کے وقف مال کی حفاظت اور نگرانی خود فرماتے۔ ہر سال کتب خانہ کی پڑتال فرماتے۔ مالیات میں بہت احتیاط فرماتے۔ تملیک زکوٰۃ کے لیے روپوں کی تھیلی الگ رکھی تھی جس سے تملیک فرماتے۔ جامعہ کی اشیاء کے استعمال میں بہت احتیاط فرماتے، ذاتی ضرورت کے لیے جامعہ کے ضابطہ کے مطابق سہولیات لیتے۔ ایبٹ آباد کے ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری مرحوم اور حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب مرحوم نے کچھ رقم برائے علاج حافظ رشید احمد مرحوم کے ہاتھ بھیجی تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ضابطہ کے مطابق میرے لیے ایک ماہ کی تنخواہ سے زاید لینا جائز نہیں ہے

۔ایک عزیز نے ٹھنڈا کولر لگوانے کا مشورہ دیا تو فرمایا دعا کرو اللہ تعالیٰ قبر میں ٹھنڈا کولر لگوا دیں اور مشورہ قبول نہیں فرمایا۔ بیشتر مرتبہ میری کوتاہی پر ناراض ہوئے لیکن جلد ہی ناراضی ختم فرما دیتے، گویا کہ حضرت سریع الغضب سریع الفیٔ کا عین مصداق تھے۔ سفر میں خادم کے ساتھ گھل مل کر سفر کرتے تا کہ خادم کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ کرے۔

تدریسی انفرادیت:

تدریس میں مضمون مرتب ہوتا، آواز بالکل معتدل ہوتی اتار چڑھاؤ نہ ہوتا، حدیث مبارکہ کا سبق محبت وجذب کا مظہر ہوتا، یہاں تک کہ چہرہ مبارک منور ہوجاتا۔ ایسے بولتے کہ لکھنے والا آسانی سے لکھ لیتا تھا، صرف دورہ حدیث شریف کے سبق میں لکھنے کی اجازت عنایت فرماتے، باقی درجات میں پڑھائی کے وقت سامنے لکھنے سے منع فرما دیتے کہ اس سے طالبعلم سمجھنے کی طرف متوجہ نہیں رہتا۔ ہم سلم العلوم کے سبق میں کاپیاں کاغذ لے کر گئے تو لکھنے سے منع فرمادیا کہ دھیان سے پڑھ لو، اگر ضرورت سمجھو تو کمرہ میں جا کر لکھ لینا۔ فرماتے اس طرح پڑھاؤ کہ طالب علم سمجھ کر یاد کرے۔ فرماتے کہ استاد کی مثال جورو کی سی ہونی چاہیے کہ پکا پکایا کھانا دیتی ہے، اسی طرح سبق کی تقریر مرتب ہونی چاہیے تا کہ طالبعلم سمجھنے میں الجھن محسوس نہ کرے۔ فرماتے جو استاد سر بلند کر کے طالبعلموں سے مخاطب نہیں ہوتا وہ کما حقہ سمجھا تا نہیں۔

مدرسہ کا اہتمام:

اہتمام کے متعلق فرماتے کہ یہ مشکل ترین عمل ہے۔ مدرسہ چلانا گویا لوہے کے چنے چبانا ہے۔ خداداد رعب کی وجہ سے اساتذہ طلبہ ہمہ وقت تعلیم میں مشغول رہتے۔ حضرات اساتذہ کے لیے تعلیم کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغولی ناپسند فرماتے تھے، اسی طرح اساتذہ کے شہریوں سے تعلق کو ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت رحمہ اللہ جز وقتی مدرس کے قائل نہ تھے۔ فرمایا مفتی محمد عبداللہ صاحب ڈیروی کی خصوصیت ہے، ان کے والد حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی شبیہ تھے انہوں نے حضرت رحمہ اللہ سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرا بیٹا آپ کے مدرسہ میں بھی پڑھائے، جب کہ حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب ڈیروی مرحوم جامعہ قاسم العلوم میں مدرس تھے، تو ان کی درخواست کو قبول فرمالیا۔ حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اہتمام وہ ہے کہ جو احتمال کے طور پر واقع ہوسکتا ہو، اس کا انتظام بھی سوچا ہوا ہو۔ اساتذہ کے آپس کے اختلاف کو بہت ناپسند فرماتے نیز اساتذہ کا آپس میں تعریض اور تنقید کرنا حضرت کو بہت ناگوار تھا۔ اساتذہ کا انتخاب بالغ نظری سے کرتے تھے، پھر بھی اگر کوئی بات قابلِ اصلاح ہوتی تو علیحدگی میں ذکر کرتے۔ اساتذہ کا اکرام ملحوظ رکھتے جس سے استاد اجنبیت محسوس نہ کرتے۔ یہ تأثر نہ ہوتا کہ مہتمم صاحب مجھے نوکر سمجھ رہے ہیں، یہی راز ہے کہ جو جامعہ خیر المدارس کا استاد بنا پھر تا حیات اس نے جامعہ خیر المدارس سے وفا کی اور اپنا مدرسہ سمجھ کر مدرسہ کی خدمت کی۔ نیا استاد مقرر فرماتے تو عید سے پہلے طلبہ کو بلا کر ایک آدھ امتحان ضرور لیتے تھے۔ مجھے جب مؤطا امام محمد رحمہ اللہ کی تدریس کا ذمہ دار بنایا تو اسباق کو خادم کے ذریعہ سے سنتے تھے اور میری حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔ اساتذہ کے لیے بھی اسباق میں ناغہ کو پسند نہ فرماتے تھے کوئی بیماری یا عذر کی وجہ سے لمبی چھٹی لیتا تو اس کے اسباق خود پڑھاتے یا جن استاد صاحب کا وقت خالی ہوتا اس کی طرف منتقل فرمادیتے۔ چنانچہ صدر المدرسین حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی بیماری کے زمانہ میں ترمذی شریف کا سبق بھی

خود شروع کرا دیا تھا۔ سفر میں کسی طالبعلم کو ساتھ لیا ہوتا تو فرماتے کہ کتابیں ساتھ لے لینا۔

سوال:......دور طالب علمی کا کوئی خاص واقعہ جو آپ کے لیے ایک یادگار ہو؟

طالبعلمی کے چند یادگار واقعات:

(۱) طالبعلمی کے پہلے سال جلسہ کے موقعہ پر میری ذمہ داری عام مطبخ میں لگی، چناں چہ میں اپنے کام میں مصروفیت کی وجہ سے مطبخ سے باہر ہی نہیں گیا اور نہ ہی مہمانانِ گرامی کی زیارت کر سکا۔ آخری روز میں آٹا سر پر اٹھا کر تنور سے روٹیاں پکوانے جار ہا تھا تو سامنے سے حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تشریف لا رہے تھے، میرے نگران حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کو مجھ پر ترس آیا کہ تین روز سے اس نے کسی باہر سے آنے والے عالم کی زیارت نہیں کی، اس لیے ان کا ارادہ ہوا کہ مجھے شاہ جی سے مصافحہ کروائیں۔ چناں چہ انھوں نے آٹے کا برتن مجھ سے لیا اور فرمایا کہ شاہ جی سے مصافحہ کر لو جب میں مصافحہ کرنے لگا تو فرمایا بے چارہ طالبعلم ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ طالبعلموں سے بہت محبت فرماتے تھے چناں چہ شاہ صاحب نے بجائے مصافحہ کے مجھے گلے لگا لیا اور فرمایا طالبعلم اور بے چارہ؟! اللہ تعالیٰ اسے با چارہ کرے......طالبعلم اور بے چارہ؟! اللہ تعالیٰ اسے با چارہ کرے......طالبعلم اور بے چارہ اللہ تعالیٰ اسے با چارہ کرے......تین بار گلے لگا کر جھومے اور مذکورہ دعا دی۔ یہ یادگار واقعہ بہت دفعہ سنایا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ کی دعا سے مجھے بہت 'با چارہ' کیا۔

(۲) جامعہ خیر المدارس کے نصاب میں پہلے ترجمہ قرآن مجید داخل نہ تھا حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں سے ترجمہ داخل نصاب کیا گیا سورۃ بقرۃ مولانا محمد عبداللہ رائے پوری رحمہ اللہ نے اور باقی مکمل قرآن پاک حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ نے دو سال میں پڑھایا۔ گویا مدارس کی تاریخ میں پورے قرآن کا ترجمہ پہلی مرتبہ جامعہ خیر المدارس میں پڑھایا گیا اور اس پر جو خوشی منائی گئی وہ یادگار تھی۔

(۳) پاکستان بننے سے پہلے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جالندھر کے قریب شیر بنگے میں مسجد کی بنیاد رکھنے کے لیے تشریف لائے تو حضرت رحمہ اللہ نے سارے جامعہ کو رخصت عنایت فرمائی کہ شاید پھر سرحدیں حائل ہو جائیں اس لیے زیارت کر لو اس موقعہ پر حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا اعزاز علی رحمہما اللہ کی زیارت ہوئی۔ مسجد کی بنیاد رکھنے کے بعد ایک تانگہ جلسہ گاہ کی طرف جا رہا تھا جس پر حضرت مدنی اور حضرت مولانا اعزاز علی اور حضرت مولانا محمد صادق جو حضرت رائے پوری کے متوسلین میں سے تھے اور حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحب رحمہم اللہ سوار تھے سارا مجمع تانگے کی رفتار کے ساتھ ساتھ جلسہ گاہ کی طرف جا رہا تھا جن میں بندہ بھی شامل تھا۔

سوال:......جامعہ خیر المدارس سے آپ کب سے وابستہ ہیں، اور یہاں آپ کن عہدوں پر فائز رہے؟

جواب:......جامعہ خیر المدارس سے وابستگی ۱۳۶۳ ہجری بمطابق ۱۹۴۴ء میں بطور طالبعلمی ہوئی چار سال جالندھر اور دو سال ملتان میں تعلیم مکمل کی۔ فراغت کے بعد حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری مرحوم نے یہ کہہ کر بلایا کہ آجاؤ طریقہ تعلیم سیکھتے رہنا، مناسب جگہ ملنے پر تجھے بھیج دیا جائے گا۔ ایک سال میں تکمیل کے اسباق پڑھے اور

فارسی کے کچھ اسباق بھی پڑھائے اگلے سال یعنی ۱۳۷۰ہجری میں حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں بندہ کو مستقل مدرس بمشاہرہ ستر روپے مقرر فرمایا۔اس وقت سے لے کر اب تک بدستور اللہ کے فضل سے مدرس ہوں۔

جامعہ خیرالمدارس میں عہدوں پر نہیں بلکہ کن کن خدمات پر مامور رہا......!

طالبعلمی کے زمانہ میں ہمہ قسم خدمات سرانجام دیں۔جالندھر میں جامعہ کی ضرورت کے لیے کھانا گھروں سے وصول کر کے لانا۔ ریڑھی کے ذریعہ مشین سے آٹا پسوانا، پہرے داری کرنا۔باورچی کی رخصت یا بیماری کے موقعہ پر کھانا،سالن کا انتظام کرنا،اسی طرح مطبخ کی ضرورت کے لیے لکڑیاں کاٹ کر ایندھن بھی تیار کیا۔حتیٰ کہ بیت الخلاء کی صفائی تک کی خدمت بھی سرانجام دی۔ ہمارے استاد عصر کی نماز کے بعد خدمت کے لیے فرماتے کہ کوئی ہے ؟میں فوراً کہتا میں حاضر ہوں پھر انہوں نے ایک موقعہ پر فرمادیا کہ تو تو ہے ہی اب جب آواز دوں تو کوئی اور بولا کرے۔

تدریس کے علاوہ خدمات

سب سے پہلے تدریس کی خدمت کے علاوہ مطبخ کی خدمت،نگرانی،کھانا تقسیم کرنا ذمہ لگایا گیا۔

(۱) نظام مطبخ (۲)نظامِ دارالاقامہ (۳)نگران دارالاقامہ (۳)ناظم تعلیمات(۴)معین مفتی (۵)ناظمِ اعلیٰ (۶)صدر مدرس کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔

اب بیماری،معذوری اور بڑھاپے کی وجہ سے حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم نے بندہ کو بخاری شریف کے سبق کے سوا باقی تمام خدمات سے مستثنیٰ قرار دیا ہوا ہے۔

سوال:......آپ بخاری شریف کا درس کب سے دے رہے ہیں؟

جواب:......مکمل بخاری شریف کا سبق علامہ محمد شریف صاحب کشمیری مرحوم نے وفات سے قبل ہی ۱۴۰۸ہجری میں میرے ذمہ لگا دیا تھا،تقسیم اسباق کے موقع پر بعض اساتذہ نے کچھ حصہ کی خواہش کا اظہار کیا تو اساتذہ کے سامنے فرمایا محمد صدیق حَیّـاً ومَیِّتـاً میرا ساتھی ہے، بخاری اس کے پاس رہنے دو۔اس کے بعد سے اب تک اَلحمدللہ بخاری شریف کے طلبہ کی خدمت جاری وساری ہے۔

سوال:...... اَصَحُّ الْکُتبِ بعدَ کتابِ اللّٰہ "الصحیح للبخاری" اپنی جلالت،ترتیب وتنسیق کے اعتبار سے درس نظامی کی اہم ترین کتاب ہے۔اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟......اس کی تدریس میں اور مباحث علمیہ میں کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

جواب:......بخاری شریف میں امام بخاری رحمہ اللہ عادل،کامل الضبط وکثیر الملازمہ راویوں سے روایت ذکر کرنے میں منفرد ہیں اس لیے ان کی کتاب کے 'اصح الکتب بعد کتاب اللہ' ہونے پر اجماع ہے۔

بخاری شریف کی بنیادی خصوصیت اس کے تراجم ہیں،فقہ البخاری فی تراجمہ تراجم کی اقسام اوران کی اَغراض اتنی کثیر ہیں

کہ ان کا استقصاء ممکن نہیں۔

☆......تراجم کی اقسام حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم کے مقدمہ بخاری شریف اور حضرت علامہ سید انور شاہ رحمہ اللہ کی شرح بخاری 'فیض الباری' اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مرحوم کی شرح بخاری 'لامع الدراری' کے شروع میں کثیر تعداد میں ذکر کی گئی ہیں۔

☆......امام بخاری رحمہ اللہ کا 'ترجمۃ الباب' دعویٰ ہوتا ہے اور 'حدیث الباب' اس کی دلیل ہوتی ہے۔کبھی استدلال صراحتاً ہوتا ہے اور کبھی تضمناً اور کبھی التزاماً اور کبھی اشارۃً اور کبھی دوسری جگہ مفصل روایت کے اعتبار سے۔

☆......کبھی ترجمہ شارحہ لاتے ہیں یعنی حدیث خاص ہو تو عموم بیان کرتے ہیں اور اگر حدیث عام ہو تو تخصیص کرتے ہیں۔

☆......ترجمۃ الباب سے مذاہب ائمہ بیان کرتے ہیں، بہت سے تراجم حنفیہ کی تائید میں ہیں نیز بیان مذاہب ائمہ اربعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بیان کرتے ہیں۔

☆......ترجمۃ الباب کے لیے جب کوئی حدیث دلیل کے طور پر نہیں ملتی تو قرآن، حدیث جو ان کی شرائط کے مطابق ہو یا قولِ سلف سے استدلال کرتے ہیں۔

☆......کبھی باب بلا ترجمہ لاتے ہیں اور یہ پہلے باب کا تتمہ ہوتا ہے اور اسے تکثیر فوائد یا تشحیذ اذہانِ طلبہ کے لیے ذکر کرتے ہیں۔

☆......اور کبھی استدلال میں مذکور حدیث سے کوئی اہم مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اس کو بھی باب کا عنوان دے کر ذکر کرتے ہیں اور یہ 'باب فی الباب' کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اور کبھی ترجمۃ الباب کو استفہاماً ذکر کرتے ہیں، اس سے مقصود اختلاف کی طرف یا اپنے تردد کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔

☆......حدیث مبارکہ میں جب قرآن پاک کا کوئی لفظ آجائے تو اکثر اوقات امام بخاری رحمہ اللہ اس کی مناسبت سے دوسری آیت کو بھی ذکر فرمادیتے ہیں اور کبھی مادہ کی مناسبت سے مفردات کو بیان فرماتے ہیں، یعنی'' **انتقال من سورۃ الیٰ سورۃ**'' اور اسی طرح ''**انتقال من مادۃ الیٰ مادۃ**'' کا بھی اہتمام فرماتے ہیں۔

☆......امام بخاری رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کو مضبوط کر کے مرجئہ، کرامیہ، خارجیہ اور معتزلہ کا رَدّ کرتے ہیں۔

☆......نیز علم کلام کے مسائل سے بھی تعرض کرتے ہیں خاص کر کتاب التوحید میں قدماء کا مسلک بیان کرتے ہیں۔

☆......تدریس میں روایت الباب کا ترجمۃ الباب سے انطباق جو شراح نے لکھے ہیں بیان کیے جائیں۔

☆......حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مرحوم نے تقریر بخاری میں کچھ اغراض جمہور سے ہٹ کر بیان کی ہیں ان کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

☆......اگر ترجمۃ الباب حنفیہ کے خلاف ہو تو حنفیہ کا مسلک اور حنفیہ کی طرف سے ترجمۃ الباب کا جواب ضرور ذکر کیا جائے

☆......امام بخاری رحمہ اللہ کے کچھ اوہام شراح نے بتلائے ہیں ان پر طلبہ کو متنبہ کیا جائے۔

☆......ائمہ مجتہدین کا اختلاف بیان کرتے ہوئے ادب سے نام لیا جائے۔

☆......اگر کسی امام کے مسلک کا جواب دینا ہو تو اس طریق سے دیا جائے کہ بے اَدبی لازم نہ آئے۔

☆......اگر کوئی حدیث عملی ہے تو عمل کر کے طلبہ کو دکھلایا جائے مثلاً بال نچوڑنا، رخسار پر ہاتھ رکھنا اور تحویل رداء وغیرہ کر کے دکھلایا جائے۔

☆......اہلِ باطل کے جو اعتراضات اَحادیث پر ہیں ان کو دور کیا جائے حضرۃ الاستاذ مولانا خیر محمد جالندھری اس کا خصوصیت سے اہتمام فرماتے تھے۔

☆......حدیث کی مناسبت سے باطل فرقوں کی تردید پر متنبہ کیا جائے۔

☆......عصمتِ انبیاء، مشاجرات صحابہ کا مسئلہ اہمیت سے پڑھایا جائے۔

☆......امام بخاری رحمہ اللہ نے اکثر مقامات پر تعلیقات ذکر کی ہیں ان کا فائدہ ضرور بتلایا جائے کہ یہ کس مقصد کے لیے ذکر کی گئی ہے۔

☆......مباحث علمیہ میں تطویل سے کام نہ لیا جائے نہایت اختصار کے ساتھ ائمہ اربعہ کے مذاہب اور فقہ حنفی کی ترجیح کو بیان کیا جائے۔

☆......دلائل اور جوابات جو ٹھوس ہوں ان کو بیان کیا جائے جو جوابات بطور احتمال شراح نے بیان کئے ہیں ان کو ذکر نہ کیا جائے

☆......’کتاب الحیل‘ میں امام صاحب رحمہ اللہ کے دلائل کو واضح کر کے صورتِ مسئلہ بیان کی جائے۔

جو تراجم عقائد سے متعلق ہیں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق ان کی شرح بیان کی جائے۔

سوال:......دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو مطالعہ کتب میں کن اُمور کو مدنظر رکھنا چاہیے؟

جواب:......دورہ حدیث شریف کے طالب علم کو اُردو شروح کی بجائے حضرت مولانا احمد علی صاحب کے حاشیہ بخاری شریف اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے تراجم، حاشیہ سندھی، آثار السنن واعلاء السنن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے نیز حدیث میں مشکل الفاظ کے ترجمہ پر بھی غور کرنا چاہیے۔

سوال:......استاذ کے لیے کیا چیز ضروری ہے؟......(الف) علمی لیاقت کا اظہار......(ب) کتاب اور فن کی تفہیم۔......(ج) طلبہ کی استعداد کے مطابق تدریس!

جواب:......استاد جس کتاب کو پڑھا رہا ہے اس کو اس فن میں مہارت ہو۔ استاد کی علمی لیاقت اور استعداد اتنی ہو کہ کتاب کی شروح اور حاشیہ سمجھ سکتا ہو، تعلیم میں بچوں کی اِستعداد کے مطابق سمجھائے اور مسئلہ کی تقریر کر کے عبارتِ کتاب پر اس کا اِنطباق ضرور کرائے۔ فقہ کی کتاب میں صورت مسئلہ بیان کرے اور عبارت میں ضمائر کے مراجع متعین کرے۔

سوال:......آج کے دور میں طالب علم اور استاذ کے رشتے کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب:......آج کے دور میں طالبعلم اور استاد کا جو رشتہ ہونا چاہیے وہ ناپید ہے نہ استاد سبق سنتے ہیں اور نہ طلبہ سمجھ نہ آنے پر استاد سے رجوع کرتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں والا طرز چل نکلا ہے کہ سبق پڑھنے کے بعد طالبعلم کا استاد سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔

سوال:......ہمارے ہم مسلک بعض حلقوں میں ’تجدد‘ کی آوازیں اٹھنے لگی ہیں، ’’میرے فہم کے مطابق‘‘ کا جملہ عام

ہونے لگا ہے، اسلاف سے بے اعتمادی کی فضا بڑھنے لگی ہے، دینی حمیت کمزور اور سلف کے طریق سے اعتزال بڑھ رہا ہے۔ اس کے اسباب کیا ہیں اور حل کیا ہے آپ کی نظر میں؟

جواب:...... ہمارا مسلک اہل سنت والجماعت فرقہ ناجیہ کا ہے۔ اکابر علمائے دیوبند نے مضبوطی سے اس پر عمل کیا اور کرایا ہے۔ صراطِ مستقیم اہل سنت کا راستہ ہے اور اس کی اتباع کا حکم ہے اور دوسرے راستوں کے اتباع کی نفی ہے۔ اس لیے جو کوئی اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے علاوہ بات کرتا ہے ہمارے مسلک سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ مسلک سے نکلا ہوا ہے اس کو ہم مسلک کہنا ہی غلط ہے۔

تجدد کی آواز سلف سے بے اعتمادی اور فرق باطلہ سے مرعوبیت کی وجہ سے ہے، اس کا حل یہی ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک پر سختی سے عمل کیا جائے۔ متجددین کو سمجھایا جائے کہ تم صراطِ مستقیم کو چھوڑ رہے ہو۔

اَساتذہ کرام بھی مسلک کی پابندی کریں اور طلبہ کو بھی پابندی مسلک کا ذہن دیں۔ مسلک اہل سنت اور اکابر علماء دیوبند کی پختگی کے واقعات آنے والی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہیں، اس سلسلہ میں اساتذہ کرام اور طلبہ کو اسلاف کی کتب زیرِ مطالعہ رکھنی چاہییں۔

سوال:...... **ایک بات یہ بھی کہی جا رہی ہے کہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے فقہ کی نئے سرے سے تدوین ضروری، آپ اس پر کیا کہیں گے؟**

جواب:...... آج کے اس دور میں کوئی شخص ایسا نہیں جس میں اجتہاد کی تمام شرائط پائی جائیں اس لیے نئے سرے سے اجتہاد کی بات ہی غلط ہے، اور اگر فقہ کی نئے سرے سے تدوین کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین رحمہما اللہ کی فقہ کے بجائے نئی فقہ کا استنباط کیا جائے تو اجماعی مسئلہ یعنی تقلید سے انحراف ہے۔

اگر فقہ کی نئے سرے سے تدوین کا مطلب یہ ہے کہ نئے پیدا ہونے والے مسائل پر احکام مرتب کئے جائیں یہ ’حوادث الفتاویٰ‘ ہیں ان پر غور کرنے کے لیے جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ان مسائل پر غور کر کے اَحکام مرتب کرے۔

اگر فقہ کی نئے سرے سے تدوین کا مطلب یہ ہے کہ فقہ حنفی جو کہ قانون بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اس کو قانون کی کتاب کی طرز پر مدون کیا جائے تو یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اسلامی قوانین کی کتاب ملکی قوانین کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے۔

سوال:...... **ملا اور مسٹر کی ’خلیج‘ ختم کرنا کتنا ضروری اور کتنا غیر ضروری ہے؟**

جواب:...... پہلے ملا اور مسٹر کی تعریف کی جاتی ہے:

’مُلا‘ اس کو کہا جاتا ہے جو فکرِ آخرت رکھتا ہے اور اپنی دنیا ”قُوْت لا یَمُوْت“ پر گزارتا ہے، اس کے مقابل مسٹر اس کو کہا جاتا ہے جو آخرت کا منکر یا آخرت سے بے پرواہ ہو کر زندگی گزارتا ہے۔

ملا اور مسٹر کی خلیج ختم کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ اختیار کرنا کہ ملا کو مسٹر بنایا جائے یہ قطعاً جائز نہیں، البتہ مسٹر کو ملا بنانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ آخرت کا قائل ہو کر فکرِ آخرت کرے۔ حاصل یہ ہے کہ مسٹر کو ملا بنانے سے یہ خلیج

ختم ہوسکتی ہے۔اور مسٹر کوملا بنانے کی محنت دوطرح سے ملک میں ہورہی ہے۔

ایک محنت تبلیغی جماعت کی ہے کہ وہ مسٹر کو مسجد کے پاکیزہ ماحول میں لاکر فکرِ آخرت پیدا کرتی ہےاور اعمالِ آخرت کی دعوت دیتی ہے۔

اور دوسری محنت بعض حضرات کی ہے کہ معاشرہ میں تبدیلی کی بجائے دین میں ایسی ترمیم کردو کہ مسٹر آسانی سے اپنے آپ کواس پر عامل دین دار سمجھنے لگ جائے۔

یہ دوسری محنت بہت خطرناک ہےاس سےاصل دین کی روح ختم ہوجائے گی اور آزاد خیال مسٹر اپنے بے دینی کے نظریات کو دین سمجھنے لگیں گے۔بہر صورت جہاں مسٹر تیار ہورہے ہیں وہاں دینیات کی تعلیم لازم قرار دی جائے تاکہ قرآن وحدیث کے نظریات کا تعین کرکے لوگ سنت کے مطابق عامل ہوجائیں۔

سوال:......**امام اور خطیب کا تعلق براہ راست معاشرے سے ہے،اس حوالے سے آپ کی نظر میں اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟**

جواب:......امام اور خطیب کا تعلق براہِ راست عوام سے ہوتا ہے وہ معاشرہ کو دین دار بنا سکتے ہیں۔اور اس کی کئی صورتیں ہیں:

نماز جمعہ کے خطبہ میں تذکیر بالموت ومابعدھا کو زیادہ سے زیادہ بیان کریں۔

صبح کو قرآن پاک کا درس دیں اور شام کو حدیث مبارکہ کا درس دیں اور ان کے ضمن میں ضروری عقائد اور مسائل بھی آسان طریقہ سے سمجھا دیا کریں اور اختلافی مسائل میں صرف اپنے مسلک کی پختگی اور اس کے دلائل بیان کریں۔امام وخطیب کو چاہیے کہ تبلیغ والوں کے انداز میں فرداً فرداً ملاقاتوں میں بھی دین سکھائیں۔

سوال:......**پچھلے پندرہ بیس سال سے اہلِ مدارس سیکولر،لبرل اور دین دشمن حلقوں کی طرف سے ہدفِ طعن ہیں،ایک حوالہ 'دہشت گردی' بھی ہے۔کوئی ایک واقعہ ہوتا ہے اور پورے ملک میں مدارس کے خلاف جنگ کی سی کیفیت ہوجاتی ہے......اس صورت حال پر آپ کیا تبصرہ فرمائیں گے؟**

جواب:......اہلِ مدارس،سیکولر اور دین دشمن حلقوں کی طرف سے ہدفِ طعن ہیں،اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ علماء نے اپنی طاقت جزوی مسائل پر خرچ کردی۔عام مجالس اور جلسوں کے موقعہ پر تذکیر بالموت ومابعدھا جو قرآن کے علوم خمسہ میں سے ایک علم ہےاس کو بیان کرنا چھوڑ دیا۔

نیز دینی جماعتوں نے اپنا میدان صرف دینی مدارس کے طلبہ کو بنالیا جہاں دین کو کمزور کرنے والے نظریات پڑھائے جاتے ہیں ان کو اپنا دائرہ تبلیغ نہیں بنایا۔جماعت اسلامی نے جمعیت طلبہ کے ذریعہ سے کوشش کی لیکن وہ بھی آزاد خیال دین دار بنانے کی۔

اس لیے ضروری ہے دینی جماعتیں کالج واسکولوں میں صحیح دین دار طلبہ کی جماعتیں قائم کریں جو اسلام پر اٹھنے والے سوالات کا جواب دے کر طلبہ کا ذہن دیندار بنانے کی محنت کریں۔اس سے سکولوں اور کالجوں کے طلبہ بھی دینی مدارس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں اپنی کمزوری تسلیم کرنی چاہیے کہ ہم نے سکولوں اور کالجوں کے طلبہ میں دین داری کی محنت نہیں کی

اور یہ میدان سیکولر اور دین دشمن حلقوں کے لیے خالی چھوڑ دیا۔وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو چاہیے کہ چاروں صوبوں میں عصری تعلیمی ادارے قائم کرے اوران کے نصاب میں ایسے مضامین شامل کرے جن کو پڑھ کر طلبہ میں دین اور دین داری کا شوق پیدا ہواوران کے دلوں میں دین داروں کی عظمت قائم ہو سکے اہل سنت والجماعت کے مسلک کی پختگی ان میں آجائے اور وہ اہلِ باطل کی تزویر سے بچ سکیں۔

مدارس اور اہلِ مدارس کو دہشت گرد قرار دینے کا منصوبہ سابقہ سے لاحقہ حکومت نے بنایا کہ ویسے مدارس پر قبضہ کریں گے تو بدنامی ہوگی اگر مدارس اوراہلِ مدارس کو دہشت گرد قرار دیا تو عوام اس بات پر راضی ہوں گے کہ جب مدارس اوراہلِ مدارس دہشت گرد ہیں تو حکومت ان کے خلاف کاروائی کرے اوران پر قبضہ کرلے تاکہ دہشت گردی ختم کی جاسکے۔یہ کافروں کا منصوبہ ہے کہ دینی مدارس بند کیے جائیں اور ہماری حکومتیں مختلف طریقوں سے ان کی آلہ کار بنتی ہیں۔نیز اہلِ مدارس نے اپنے آپ سے دہشت گردی کا طعن دور کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا۔چاہیے یہ تھا کہ ہر ہر علاقہ میں اہلِ مدارس عوام کا جلسہ بلاتے اور دہشت گردی کی نفی کرتے۔حکمران طبقہ میں رہنے والے لوگ اوراسی طرح تاجر برادری کے لوگ جو کہ مدارس سے اُنس رکھتے ہیں ان سے بیانات دلائے جاتے کہ مدارس اوراہل مدارس دہشت گردنہیں ہیں۔اب جب کہ حکومت نے اکثر مدارس پر چھاپے مارے اور دہشت گردی ثابت نہ کرسکے اس کو بھی عوام تک خاطر خواہ طریقہ سے نہیں پہنچایا گیا۔

اب جو بیداری کی تحریک شروع ہوئی ہے وہ بھی محدود طریقہ سے ہے اس کی نشرواشاعت اور کارروائی کو عوام تک پہنچانے کے لیے اخبارات،رسائل اور میڈیا کا سہارالینا چاہیے۔

ملک کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کی باتیں ہورہی ہیں اور سیکولر طبقہ غالب آرہا ہے،سیکولر طبقہ کے طعنہ سے مدارس کا دفاع تب ہی ہوسکتا تھا کہ لوگوں کو سیکولر حکومت کے نقصانات اوراس کا خلافِ اسلام ہونا بتلایا جاتا،لیکن حال یہ ہے کہ صرف بیانات آتے ہیں کہ ملک کو سیکولر اسٹیٹ نہیں بننے دیں گے جب عوام کو پتہ ہوگا کہ سیکولر اسٹیٹ کیا ہوتی ہے اوراس کے نقصانات کیا ہیں تو وہ بھی اہلِ مدارس کے شانہ بشانہ ہوں گے۔

بہرحال کچھ ہماری کمزوری ہے اور کچھ بے دین حکومتوں کی چیرہ دستی ہے۔

سوال:......**اہلِ مدارس کو آپ موجودہ حالات کے تناظر میں کیا پیغام دیں گے؟**

جواب:......اہلِ مدارس موجودہ حالات میں معاشرہ سے کٹ چکے ہیں۔اہلِ مدارس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی اخلاق......عامۃ الناس کی خدمت......تعاون......حادثات میں خبر گیری......وغیرہ پر عمل کرتے ہوئے معاشرہ سے رابطہ ضرور رکھنا چاہیے،صرف چندہ لینے کی ہی فکر نہیں بلکہ دین دینے کی بھی فکر کرنا چاہیے،تبلیغ کو عام کرنے کے لیے یہ شعور پیدا کریں کہ گھروں محلوں،مسجدوں جہاں وعظ کی ضرورت ہو وہاں ضرور وعظ کرائے جائیں اور علماء کو چاہیے کہ بلاتردد وہاں چلے جائیں اور بیان کرکے آجائیں چاہے کسی دعوت وغیرہ میں شریک نہ ہوں۔اہلِ مدارس نے تبلیغ مہنگی کردی مثلاً اسٹیج ہو،لاؤڈ اسپیکر ہو،شامیانے ہوں،مجمع ہو تو تبلیغ کریں گے سادہ طریقہ سے وعظ نہیں کریں گے۔

اہلِ مدارس کو یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ یہ مدارس عام درس گاہوں کی طرح محض درس گاہ نہیں بلکہ حفاظت اسلام کی ایک زندہ تحریک ہیں اسی طرح تدریس علوم دینیہ کسبِ معاش کے پیشوں میں سے ایک پیشہ نہیں بلکہ یہ آخرت کی 'تجارتِ رابحہ' ہے اس لیے دو باتوں کی طرف اہلِ مدارس کو ضرور توجہ کرنی چاہئے۔

اولاً:......زمانہ تدریس میں جو طلبہ غیر معمولی طور پر محنتی اور ذہین ہوں ان کی پوری پوری حوصلہ افزائی کی جائے اور تفسیر، حدیث، فقہ اور افتاء میں ان کے لیے تخصصات کا اہتمام کیا جائے تا کہ یہ گوہر ضائع نہ ہوں۔

ثانیاً:...... بڑے جامعات کے ارباب اختیار کو اب اس پر غور کرنا چاہیے کہ ہر سال مدارس سے ایک کثیر تعداد فارغ التحصیل ہوتی ہے ان میں سے چند ایک مدرس، کچھ امام و خطیب اور بعض سرکاری اداروں کا رخ کرتے ہیں جب کہ ایک کثیر تعداد حالات کے رحم و کرم پر ہوتی ہے اور بعد ازاں معاشی تنگی سے گزرنے والے یہ فضلاء اپنی اولادوں کو مدارس کی بجائے عصری تعلیمی اداروں میں بھیجنا پسند کرتے ہیں۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے اس لیے مدارس کے ارباب اختیار کو فضلاء کے معاشی مستقبل کے لیے غور و فکر کرنا چاہیے۔

نیز موجودہ حالات میں تعلیم کی آزادی چھینی جا رہی ہے اس کو برقرار رکھنا چاہیے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ سطح کے وفود اعلیٰ سطح کے حکومتی لوگوں کو مذہبی آزادی کا تائثر دلائیں۔ نیز عدالت میں رجوع کریں کہ مذہبی آزادی جو آئین کی شق ہے ہمیں اس کے مطابق اپنے مذہب کی تعلیم عام کرنے میں آزادی دی جائے کسی قسم کی پابندی نہ لگائی جائے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
31 مارچ 2016ء
جمعرات بعد نماز مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

منصور اصغر راجہ

قادیانی چناب نگر میں قیمتی پلاٹ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں!

گزشتہ روز قادیانیوں کی جانب سے چناب نگر میں واقع بستی متین شاہ کا رستہ بند کیے جانے پر مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا۔ باخبر ذرائع کے مطابق جماعت احمدیہ چناب نگر سے ملحقہ مسلمانوں کی اس بستی کا راستہ بند کر کے یہاں سات کنال کے قیمتی پلاٹ پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ بستی متین شاہ میں زیادہ تر مزدور پیشہ غریب مسلمان رہائش پذیر ہیں۔ مذکورہ راستہ بند ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو شہر آنے کے لیے ۴ کلومیٹر کا چکر کاٹنا پڑے گا۔ چند برس پہلے مقامی انتظامیہ کی ملی بھگت سے چناب نگر شہر کے اندر بھی دو مسلمان بستیوں پر اسی طرح قبضہ کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلے میں مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکریٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ کا کہنا ہے کہ جماعت احمدیہ چناب نگر کو پرانے ربوہ کی پوزیشن پر لانے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اس کا نوٹس لیں۔ واضح رہے کہ جمعرات کے روز چناب نگر سے ملحقہ مسلمانوں کی بستی متین شاہ کے سیکڑوں مرد و خواتین نے مقامی جماعت احمدیہ کی طرف سے بستی کا راستہ بند کرنے اور وہاں پول اور خاردار تاریں لگانے کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ قادیانیوں نے چناب نگر کے تمام داخلی و خارجی راستوں کو پہلے ہی بیریئر لگا کر بند کر رکھا ہے۔ اب ہمارے گھروں کی جانب جانے والے راستے بھی بند کیے جا رہے ہیں۔ مقامی پولیس بھی قادیانیوں کے ایما پر ہمیں ہی تنگ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں درست حقائق کیا ہیں؟ اس بارے میں جماعت احمدیہ میں موجود ایک بااعتماد ذریعے نے ''امت'' کو بتایا کہ بستی متین شاہ تھانہ چناب نگر کے بالکل سامنے واقع ہے۔ پہاڑیوں کے دامن میں واقع مین روڈ کی دائیں جانب چناب پل سے چونگی نمبر ۳/احمد نگر تک مسلمانوں کی یہ بستی ہے، جو مقامی سطح پر پٹھان بستی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس بستی میں زیادہ تر مزدور پیشہ غریب مسلمان رہائش پذیر ہیں۔ اس کے سامنے مین روڈ کی بائیں جانب ٹول پلازہ سے ریلوے اسٹیشن تک پھیلی ہوئی مسیحی آبادی ہے۔ اس بستی کی طرف جانے والے راستے سے ملحقہ مسیحی قبرستان اور ساتھ ہی سات کنال کا ایک قیمتی پلاٹ ہے۔ پٹھان بستی سے چناب نگر شہر آنے جانے کا راستہ اسی پلاٹ میں گزرتا ہے۔ ذریعے کے مطابق جمعرات کی صبح قریباً آٹھ بجے جماعت احمدیہ کا سیکریٹری امور عامہ شبیر باجوہ قریباً ۴۰/ مسلح افراد کے ہمراہ وہاں پہنچا اور پول لگانے شروع کر دیے، جس پر پٹھان بستی کے سیکڑوں مرد و خواتین نے شدید احتجاج کیا۔ کیونکہ اس گزرگاہ کو بند کرنے کا مطلب ہے کہ اس بستی کے رہائشی مسلمانوں کا شہر آنے جانے کا راستہ بند ہو جائے گا اور انھیں تقریباً ۴ کلومیٹر کا طویل چکر کاٹ کر شہر آنا پڑے گا۔ ذریعے کے مطابق یہ جماعت احمدیہ کا مخصوص طریقہ کار ہے۔ انھوں نے جب کسی جگہ پر قبضہ کرنا ہوتا ہے تو اسی طرح پہلے راستے بند کیے جاتے ہیں تاکہ لوگ خود ہی تنگ آ کر جگہ خالی کر دیں۔ اب بھی مسیحی قبرستان سے ملحقہ سات کنال کے پلاٹ پر جماعت احمدیہ نظریں جمائے ہوئے ہے، جس پر قبضے کے لیے یہ سارا ڈرامہ کیا جا رہا ہے۔ ذریعے نے بتایا کہ ماضی میں بھی اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ چند سال پہلے چناب نگر ریلوے اسٹیشن کے سامنے موجود ریلوے کالونی کو بھی اسی طرح خالی کرایا

گیا، جہاں مسلمانوں کے تقریباً ۱۰۰ ر سے زائد گھر اور دکانیں تھیں۔ جماعت احمدیہ نے محکمہ ریلوے میں موجود کچھ قادیانی افسران کی ملی بھگت سے اس جگہ پر بلڈوزر چلا کر یہاں قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت بھی وہاں کے رہائشی مسلمان چیختے چلاتے رہ گئے، لیکن ان کی کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ اس واقعے کے تقریباً چھ ماہ بعد جامعہ احمدیہ کے سامنے دارالعلوم کے نام سے مشہور ایک آبادی پر اسی طرح قبضہ کیا گیا، جہاں ساٹھ ستر مسلمان گھرانے آباد تھے۔ وہاں اب جماعت احمدیہ نے قادیانی نوجوانوں کے لیے ایک تربیت گاہ قائم کر رکھی ہے۔ اسی طرح مختلف جگہوں اور سرکاری اراضی پر گھاس اور چند پودے لگوا کر اسے گرین بیلٹ کا نام دے کر قبضے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ ان سطور کے لکھے جانے تک پٹھان بستی کے مذکورہ راستے پر پول لگائے جانے کا کام جاری تھا۔ جس کے متعلق مقامی ذریعے کا کہنا ہے کہ چناب نگر میں یہ اطلاعات گردش کر رہی ہیں کہ جماعت احمدیہ نے مسیحی اور مسلمان بستی کے کچھ بااثر لوگوں سے ڈیل کر لی ہے، جس کے بعد یہاں پول لگائے جانے کا کام جاری ہے۔ مقامی مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی غیر قانونی حرکتوں کے لیے جماعت احمدیہ کو مقامی انتظامیہ کی سرپرستی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ''امت'' کی جانب سے حال ہی میں تعینات ہونے والے ڈی ایس پی چناب نگر سرکل نصر اللہ نیازی سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ جو کچھ اخبارات چھاپتے ہیں ضروری نہیں کہ زمینی حقائق بھی اس کے مطابق ہوں۔ چناب نگر میں امن وامان کی صورتحال بہترین ہے، یہاں کسی قسم کی کوئی ٹینشن نہیں پائی جاتی۔ نہ ہی یہاں کوئی مذہبی ایشو ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ جمعرات کے روز یہاں کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں ہوا۔ اس حوالے سے چھپنے والی خبریں درست نہیں ہیں۔ پٹھان بستی والا معاملہ دراصل ایک دیوانی کیس تھا اور یہ کیس جماعت احمدیہ اور وہاں رہائش پذیر عیسائیوں کے درمیان چل رہا تھا۔ حال ہی میں مقامی عدالت نے اس کیس کا فیصلہ جماعت احمدیہ کے حق میں کر دیا، جس کے بعد مذکورہ ۷ ر کنال کے پلاٹ پر قبضہ کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سلسلے میں مقامی مسیحی بھی راضی ہیں اور ان کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ دوسری طرف مقامی ذریعے کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ پلاٹ کے سلسلے میں کوئی دیوانی کیس عدالت میں نہیں تھا اور نہ ہی یہ قبضہ کسی عدالتی حکم کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکریٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے ''امت'' سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''قادیانی جماعت نے چناب نگر میں ریاست کے اندر ریاست قائم کر رکھی ہے۔ شہر کے داخلی وخارجی راستوں پر چیکنگ اور مسلمانوں کی جامہ تلاشی لی جاتی ہے اور انھیں مختلف حیلوں بہانوں سے تنگ کیا جاتا ہے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ہمارا سوال ہے کہ قادیانیوں کو یہ حق کس نے دیا ہے۔ قادیانی جماعت کو پالیسی ساز حلقوں میں موجود بااثر قادیانی لابی کی سرپرستی حاصل ہے اور وہ لوگ اردگرد کی مسلمان بستیوں میں رہائش پذیر غریب مسلمانوں کو تنگ کر کے پرانے ربوہ کی پوزیشن بحال کرنا چاہتے ہیں''۔ عبداللطیف خالد چیمہ کا کہنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اس صورتحال کا فوری نوٹس لینا چاہیے۔ اگر چناب نگر میں امن وامان کی صورتحال خراب ہوئی تو اس کی ذمہ داری جماعت احمدیہ یا قانون نافذ کرنے والے اداروں پر عائد ہوگی۔ اس سلسلے میں جماعت احمدیہ کا موقف جاننے کے لیے جماعت کے ترجمان سلیم الدین سے رابطے کی بارہا کوشش کی گئی لیکن انھوں نے فون اٹینڈ نہیں کیا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''امت'' کراچی، 20 ر فروری 2016ء)

مولانا حافظ عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ آخری قسط

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(مجلس احرارِ اسلام......شاہ جی کی زندہ تحریک)

رات کو اے ڈی ایم ساہیول کی صدارت اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر تھی۔اے ڈی ایم کو میں پہلے سے جانتا تھا کہ اچھا مقرر ہے، اس نے شروع میں تقریر کی اور کہا کہ قدرت کے کام ہیں کہ آج مجھے ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہے کہ میں احرار کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے دفاع کانفرنسیں کر کے ملک کو بیدار کیا اور خون کو گرمایا لیکن تقسیم سے قبل میں فاضلکا میں تحصیل دار تھا اور وہاں شاہ صاحب کی تقریر تھی، ڈی سی فیروز پور نے مجھے حکم دیا ہوا تھا کہ تمہارے شہر میں ایسا مقرر آ رہا ہے کہ اس کی تقریر میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کو کہے کہ دریا میں چلانگیں لگا دو تو وہ اس پر عمل کریں گے اور اگر کہے کہ آگ میں کود جاؤ تو لوگ اس پر عمل کریں گے۔ جب تقریر اس نقطہ پر پہنچے تو تم نے تحریر بھیجنی ہے کہ تقریر ختم کر دو، اگر ختم نہ کریں تو گرفتار کرنا ہے۔ڈپٹی کمشنر انگریز تھا، میں حیران تھا کہ اس کی معلومات کس قدر ہیں۔ میں جلسہ گاہ میں گیا اور تقریر جب شباب پر پہنچی تو واقعی ایسا وقت آیا کہ میرے ضمیر اور نفس میں کشمکش شروع ہوگئی۔ضمیر کہتا تھا کہ تقریر جاری رہنی چاہیے کہ ملک اور قوم کے مفاد میں ہے لیکن نفس کہتا تھا کہ اپنے حاکم کا حکم مانو ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔کئی منٹ یہ کشمکش رہی بالآخر نفس غالب آیا کہ تو نے ترقی کر کے نجانے کہاں تک جانا ہے اپنے افسر کی بات مانو۔میں نے رقعہ بھیجا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم ہے کہ تقریر بند کر دیں اور جلسہ ختم کر دیں۔شاہ صاحب نے کہا پندرہ منٹ اور، میں نے کہا کہ نہیں۔احرار کا فیصلہ تھا کہ حکومت سے ٹکرانے کا ابھی موقع نہیں ہے لہٰذا شاہ صاحب نے تقریر ختم کر دی اور آج ڈپٹی کمشنر کا حکم ہے کہ شکریہ ادا کروں۔اسی طرح قریباً آدھ گھنٹہ باتیں کر کے اے ڈی ایم بیٹھ گیا اور شاہ صاحب نے تقریر شروع کر دی۔میرا خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر پاکستان میں سنی جانے والی تقریروں میں میرے لیے سب سے اہم تھی کہ اس میں خطابت کا وہ تمام شکوہ اور انداز موجود تھا کہ جس کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔اس تقریر میں زیادہ حصہ مرزائیت، سر ظفر اللہ خان اور لیاقت علی خان کا قتل تھا۔آپ نے فرمایا کہ عدالت کی کرسی ہو اور فیصلہ میں نے کرنا ہو تو پھر میں تفصیل سے وہ تمام باتیں مدلل لکھ کر ثابت کروں کہ اس قتل میں اصل ہاتھ ظفر اللہ کا ہے۔اس لیے کہ احرار کی کوششوں سے وزیر اعظم لیاقت علی خاں پر مرزائیوں کے تمام منصوبے اور عزائم منکشف ہو چکے تھے۔آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ مرزائی وزیر خارجہ آج تک افغانستان کیوں نہیں گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت افغانستان نے دو مرزائی مبلغوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے انکار پر شرعی سزا دی تھی۔ ہمارا وزیر خارجہ افغانستان کو اس کی سزا دے رہا ہے اور پاکستان اور افغانستان جو آپس میں بھائی ہیں ان کو اس نے ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا ہے اور فرمایا کہ افغانستان کے لوگ پاکستان کے خلاف اس طرح مشتعل ہیں گویا ہماری ان سے کفر و اسلام کی جنگ ہے اور یہاں شاہ صاحب نے سر سے ٹوپی اتاری بالوں کو جھٹکا دیا اور ڈاڑھی کو منہ میں لیا اور کلہاڑی کو کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ اس مرزائی کی وجہ سے افغانستان کے لوگ ہمارے خلاف اس طرح مشتعل بیٹھے ہیں اور

یہاں پھر وہی شعر پڑھا جو شام کی مجلس میں پڑھا تھا اس وقت تو عام لہجہ میں تھا مگر اب یہ شعر پورے درد و سوز اور ترنم سے پڑھا۔ مجمع کی یہ حالت تھی کہ اگر سوئی گرے تو اس کی آواز آئے۔ ہر شخص اس المیہ کا درد اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا۔

سردیوں کا آغاز تھا اور اس دن بارش بھی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود فٹ بال گراؤنڈ لوگوں سے بھری ہوئی تھی حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر تقریباً تین گھنٹہ جاری رہی۔

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی آیت کریمہ **واعدوا لهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم وآخرين من دونهم.** پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تشریح کی **واعدوا لهم ما استطعتم من قوة** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری قوت جمع کر واپنی طاقت کی حد تک۔ جبکہ کسی اور فرض اور رکن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ پوری قوت خرچ کرو لیکن جہاد کے متعلق یہ فرمایا تُرْهِبُونَ بِهٖ کے متعلق کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ’’اونہاں نوں ریکا دیو‘‘ ’’اوہ ریک جان۔‘‘ پھر فرمایا میں آپ کو بتاؤں کہ ’’ریکنے‘‘ کا مفہوم کیا ہے اور سوال کیا تم نے کبھی دو سانڈوں کو لڑتے دیکھا ہے؟ فرمایا: دونوں خوب زور آزمائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹ ہٹ کر ٹکریں مارتے ہیں بالآخر ایک میدان چھوڑ دیتا اور بھاگنا شروع کرتا ہے دوسرا اس کا تعاقب کرتا ہے بھاگنے والے کو ’’موک‘‘ (اسہال) لگ جاتی ہے اور وہ ہرا ہرا پتلا گوبر نکالتا مسلم لیگ کا جھنڈا بناتا ہوا سرپٹ بھاگتا ہے اسے کہتے ہیں ’’ریکنا‘‘ فرمایا تُرْهِبُونَ بِهٖ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے کہ اتنی تیاری کرو کہ اللہ کے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ اس دھاک بیٹھنے کو پنجابی میں فرمایا ’’ریکا دیو‘‘ اس کے بعد ہے وَآخَرِينَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ. اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔ فرمایا کہ یہ ہمارے ملک کے ففتھ کالم ہیں اور سب سے بڑے ففتھ کالم مرزائی ہیں جن لوگوں نے اوکاڑہ کی یہ تقریر سنی ہے ان میں سے بہت سے زندہ ہوں گے وہ گواہی دیں گے کہ اس تقریر میں شاہ صاحب کی جوانی کی جھلک نظر آتی تھی۔ افسوس کہ شاہ صاحب کے زمانے میں ٹیپ ریکارڈ نہیں تھے اگر ہوتے تو آج لوگوں کو پتہ چلتا کہ خطابت کس کو کہتے ہیں اور شاہ صاحب کیسے خطیب تھے۔

آخر کوئی بات تو ہے کہ ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، بہادر یار جنگ، جیسے یگانہ روزگار خطیبوں نے آپ کی خطابت کا اعتراف کیا۔

آج بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ شاہ صاحب کی تقریر کیسی تھی ان کو کیا بتایا جائے اور کیا مثال دی جائے میرا احساس ہے کہ دعوت وعزیمت میں ابوالکلام، قومی شاعری میں علامہ اقبال اور عوامی خطابت میں امیر شریعت رحمہ اللہ کی مثال شاید اردو زبان میں کبھی پیدا ہو۔ جیسے شاہ صاحب خطیب تھے اس کے دس پندرہ فیصد کے قریب بھی کسی کو نہیں دیکھا۔

میں نے اپنے استاد حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ شاہ صاحب کی جوانی کیسی تھی؟ آپ نے مختصر سا فقرہ کہا فرمایا: شاہ صاحب کی جوانی قہر تھی۔ (آپ کا فقرہ تھا ’’جوانی سی؟ قہر سی!‘‘) پنجابی زبان کے مشہور واعظ حضرت مولانا عبدالعزیز ملسیانوی رحمہ اللہ سے میں نے یہ سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ابتدا میں قصبات میں بجلی نہیں ہوتی تھی، گیس لیمپ ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب دورانِ تقریر جب سر سے ٹوپی اتار کر سر کو جنبش دیتے تھے تو آپ کے بالوں کی حرکت کے ساتھ لوگوں کے دل حرکت کرتے تھے۔

گذشتہ سطور میں رازی صاحب، آصفی صاحب کی شاہ صاحب سے ملاقات کا ذکر گذرا اس میں ہم میں سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سنا ہے آپ کی تقریر مسعود کھدر پوش نے ریکارڈ کی تھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے علم کے بغیر ایسا ہوا تھا۔ اس کی کچھ تفصیل سنائی، یہ مفصل قصہ مولانا مجاہد الحسینی کی زبانی میں نے سنا تھا۔ مظفر گڑھ میں ایسی ہی کوئی دفاع کانفرنس تھی اور مسعود کھدر پوش بحیثیت ڈی سی صدر تھے۔ مسعود مرحوم کسی غیر ملک سے اس زمانے کی ٹیپ ریکارڈ لائے تھے یہ ٹیپ مشین خاصی بڑی ہوتی تھی اور اس کا مائیک لاؤڈ سپیکر کے ساتھ باندھنا پڑھتا تھا اس کی چرخی بھی (کیسٹ) خاصی بڑی ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کے سٹیج پر تشریف لانے سے قبل مائک کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر کا مائیک باندھ دیا گیا تھا۔ شاہ صاحب آئے تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کی تقریر ریکارڈ کریں گے۔ شاہ صاحب سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میری تقریر کے ریکارڈ تیار کر کے ”دینے قوال“ کی طرح سنا کرو گے۔ (دینا قوال اپنے زمانے کا بہت بڑا قوال تھا اور اس کی نظیر آج تک نہیں ہوئی) اسے اتارو۔ قیل وقال کا کوئی سوال نہ تھا فوراً وہ مائیک اتار لیا گیا اور شاہ صاحب کچھ دیر خاموش سوچتے رہے اور منتظمین نے ٹیپ کا مائیک ایک سپیکر کے ساتھ رکھ دیا اور مشین بھی اٹھا کر وہاں رکھ دی۔ شاہ صاحب کو اس کا علم نہ ہوا آپ نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ مسنونہ پڑھا اور تقریر کی۔ اگلے دن یہ طے ہوا کہ شاہ صاحب کو یہ تقریر سنائی جائے۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب ذرا سیر کر آئیں کار پر باہر نکلے تو ایک بڑی کوٹھی کے سامنے کار جا رکی اور وہاں مسعود مرحوم استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے بہت برا کیا میں ساری زندگی کسی افسر کے مکان پر نہیں گیا لیکن مسعود صاحب سے پرانی شناسائی بھی تھی، انھوں نے بڑھ کر سلام کیا۔ شاہ صاحب کار سے اترے اور اندر ڈرائینگ روم میں جا بیٹھے۔ انھوں نے پہلے سے رات والی تقریر کا گھر میں سنانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک جانب سے لحن داؤدی میں الحمدللہ کی ایک بلند آواز آئی۔ حضرت شاہ صاحب الحمدللہ پڑھ کر کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر پھر دوسری دفعہ الحمدللہ کے ساتھ نحمدہٗ پڑھنا شروع کرتے تھے۔ کاش صرف ”الحمدللہ“ ہی (ریکارڈ) محفوظ ہو جاتا تو اس سے خطابت اور تلاوت کا اندازہ ہوتا۔ اب جب یہ آواز آئی تو آپ ایک دم اس طرف متوجہ ہوئے معلوم ہونے پر آواز کی جانب جا کر پاؤں پر بیٹھ کر دونوں ہتھلیاں رخساروں پر رکھ لیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا کہ کلکتہ سے پشاور تک کروڑوں انسانوں نے میری بارہا تقریریں سنی ہیں لیکن میں آج پہلی دفعہ اپنی آواز سن رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ سن کر خوشگوار حیرت ہوئی ہوگی اور کہا کہ میں نے محسوس کیا کچھ تھوڑا بہت بول لیتا ہوں۔

جب شاہ صاحب سے ہماری یہ گفتگو ہو رہی تھی اب مجھے یاد نہیں مولانا سید عطاء المہیمن پاس بیٹھے تھے یا سید عطاء المؤمن، کم عمر تھے وہ بھی پاس بیٹھے تھے۔

ایک دفعہ لاہور میں قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے ان دنوں مسعود مرحوم لاہور تھے پھر پروگرام بنا کہ آج شاہ صاحب کی مجلسی گفتگو ریکارڈ کی جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ صبح کا ناشتہ ان کے ساتھ کیا جائے باہر نکلے کار پر بیٹھے لیکن تھوڑی دور جا کر فرمانے لگے کہ طبیعت رک رہی ہے جی نہیں چاہتا کہ اپنے شیخ کے پاس سے اٹھ کر کسی افسر یا دنیا دار کے پاس جایا جائے۔ کار واپس تشریف لے آئے اور وہ تقریر جو مظفر گڑھ میں ریکارڈ ہوئی تھی کسی

خال خال شخص کو اس کا پتہ تھا۔ میں نے ایک دو دفعہ لاہور آنے پر مسعود مرحوم سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس بہت سی ریلیں (ریکارڈنگ سپول) ہیں کسی دن تلاش کروں گا۔ پھر پتہ کیا تو فرمانے لگے کہ وہ گرمی سے جڑ گئی ہیں۔ میں ۱۹۷۸ء میں انگلستان گیا تو وہاں بہت سے دوستوں نے کہا کہ وہ ریل ان سے لو اب تو ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کر لی ہے اسکو کسی صورت درست کر لیں گے اور ۸۳ء میں تو بہت اصرار سے دوستوں نے توجہ دلائی لیکن اسی دوران میں مسعود مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ ع

آں قدح بشکست وساقی نماند

اللہ کو منظور نہیں تھا کہ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر عام ہو، اس طرح آج کل کے خطبا کا بھرم رہ گیا ورنہ کوئی کسی کو نہ پوچھتا۔ کس نمے پرسد کہ ''بھیا کیستی''

میری حضرت شاہ صاحب سے قدرے بے تکلفی تھی، میں نے ایک دن شاہ صاحب سے پوچھا کہ حضرت کبھی آپ نے ایسا بھی محسوس کیا کہ آپ تقریر کرنے میں بے بس ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ ہاں دو دفعہ ایسی صورت حال پیش آئی۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ الہ آباد میں جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو کی صدارت میں جلسہ تھا اور سائمن کمیشن آیا ہوا تھا۔ کانگریس نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا اور اسی سلسلے کا جلسہ تھا۔ موتی لال کی تقریر پہلے تھی خالص سیاسی مسئلہ تھا سامعین میں ہندو زیادہ تھے موتی لال نے اس قدر مدلل اور مسکت تقریر کی کہ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ حیران تھا اور سر جھکائے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ لوگ کہیں گے مولوی کو دو تین تقریریں یاد تھیں وہ یہاں کر گیا اب کچھ پاس نہیں ہے کہ موتی لال نہرو نے یہ کہہ کر تقریر ختم کی کہ اب میں آپ کے محبوب مقرر کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا۔ اس پر میں نے سر اٹھا یا دیکھا تو پنڈال کے آخری سرے پر کچھ رضا کاروں (والنٹیر ز) نے سائمن کمیشن کی ارتھی (جنازہ) اٹھائی ہوئی ہے اور وہاں رکھ کر اسکو آگ لگا نا تھی جونہی میری اس پر نظر پڑی مجھے یہ شعر یاد آ گیا۔

ہوئے مر کے تم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

بس میں نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا تو موتی لال نہرو نے اپنے زانوؤں پر دو ہتڑ مارا اور کہا کہ شاہ صاحب آپ نے میری ساری تقریر کا بیڑا غرق کر دیا (یا ستیاناس) کر دیا) بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ موضوع یکسر پلٹ گیا تھا میں نے تین چار گھنٹہ تقریر کی۔

اور ایک واقعہ آگرہ کا ہے کہ بہت بڑا جلسہ تھا، پنڈال کے درمیان سٹیج تک جانے کا راستہ بنا ہوا تھا، میں وہاں سے گزر کر سٹیج کی جانب جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ لوگوں کے چہرے پڑھتا جا رہا تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگوں کے چہروں سے موضوع کا انتخاب کرتا ہوں اور چہروں کو دیکھ کر بھانپ لیتا ہوں کہ کیا صورت حال ہے۔ ہر سو پچاس آدمیوں میں سے ایک کے پاس اخبار تھا، میں دیکھتا سوچتا آگے بڑھتا رہا اور سٹیج پر پہنچ گیا۔ وہاں میز پر ''انقلاب'' اخبار کی ایک کاپی پڑی تھی جس میں میرے متعلق ایک بے سروپا جھوٹی بات لکھی ہوئی تھی کہ اس نے فلاں جگہ یہ تقریر کی (کہ گاندھی کا پیشاب کوثر و زمزم کے پانی سے پوتر ہے نعوذ باللہ) بات ایسی تھی کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، میں یہ اخبار پڑھ کر سوچنے لگا کہ میں پہل کروں یا مجمع

پہل کرے کہ اتنے میں پنڈال کے آخر میں سے ایک شخص نے مجھے گالی دے کر کہا کہ اس کی داڑھی پکڑو اور سٹیج سے اتار دو میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''شرابی ہے بکواس کرتا ہے'' لوگوں نے اس کا منہ سونگھا تو شراب کی بو آرہی تھی بس پھر کیا تھا اس کی پٹائی ہوئی اور بخاری زندہ باد کے نعرے لگے اور میں نے گھنٹوں تقریر کی۔ قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ شاہ صاحب اپنے متعلق اس قسم کی باتیں کرنے یا سنانے کے عادی نہ تھے اور نہ ہی کبھی بعد از تقریر کسی سے پوچھتے کہ سناؤ کیسی تقریر رہی اور نہ ہی کسی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ تقریر کی تعریف کرے جیسا آج کل کا معمول ہو چلا ہے۔ یہ تو میری بے تکلفی یا یوں کہیے کہ اس طرح کی باتوں میں دلچسپی دیکھ کر بات سنا دی۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں واقعات یا پہلا واقعہ آغا شورش مرحوم کی کتاب میں بھی موجود ہے۔

اسی طرح میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کوئی بزرگ یا رہنما ایسے بھی تھے کہ جہاں آپ اپنے آپ کو محسوس کرتے ہوں کہ یہاں بات کرنا مشکل ہے، فرمایا وہاں دو جگہیں ایسی تھیں، ایک جگہ تو دو تین دفعہ ہی جانا ہوا دوسری جگہ البتہ بارہا گیا بارہا اکٹھے خطاب کیا، تاہم ایک رعب اور حجاب رہا۔ میں نے عرض کیا یہ کون حضرات تھے، فرمایا ایک حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ والا واقعہ میں نے بالتفصیل اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی سنا تھا وہ یہ کہ جب علامہ انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو احساس ہوا کہ کوئی اور جگہ ہونی چاہیے کہ جہاں جا کر دعا کرائی جائے۔ ان دنوں قادیان میں احرار تبلیغ کانفرنس والی تقریر پر مقدمہ چل رہا تھا اور سنگین نوعیت کی دفعات کے تحت کیس قائم ہوا تھا۔ شاہ صاحب حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جالندھر گئے اور کہا کہ تھانہ بھون جانا ہے، انھوں نے کہا کہ ہمارا یہ قاعدہ ہے کہ جانے سے پہلے اطلاع دیتے ہیں اور ویسے بھی میں چند دنوں پہلے حاضری دے کر آیا ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا کہ نہیں میرے ساتھ چلیں چنانچہ دونوں حضرات نے تھانہ بھون جانے کا قصد کیا۔ سہارنپور جا کر شاہ صاحب نے پوچھا کہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کھانے کی کونسی چیز پسند کرتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ سنگترے مرغوب ہیں چنانچہ ایک ٹوکری سنگتروں کی لے لی۔ سہارنپور کے احباب نے رات واپسی پر تقریر کا وعدہ لے لیا اب جب تھانہ بھون جانے والی گاڑی پر بیٹھے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا تو دل گھبرا رہا ہے واپس ہو جائیں مولانا نے کہا کہ اتنی دور سے مجھے لائے ہیں اب چلنا چاہیے۔ تھانہ بھون پہنچے تو حضرت گھر جا چکے تھے۔ مولانا، حضرت کو اطلاع دینے گھر گئے اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے شاہ صاحب دوزانو بیٹھ گئے۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب بے تکلفی سے بیٹھیں اس طرح تا دیر بیٹھنا آپ کے لیے مشکل ہوگا کہ کوئی تکلف یا حجاب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے میں ٹوپی پہن کر آیا ہوں پگڑی نہیں اور پھر آتے ہی چارپائی پر لیٹ گیا ہوں تا کہ بے تکلفی کا ماحول پیدا ہو۔ چند منٹ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر شاہ صاحب نے کچھ اشعار سنائے اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کی جماعت کا چندہ کتنا ہے آپ نے کہا کہ ایک روپیہ سالانہ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے غالباً ۲۵ روپے نکال کر دیے اور کہا اتنی دیر کے لیے تو ممبر سمجھئے اور اس کے بعد زندہ رہا تو پھر سہی اور فرمایا کہ خط وکتابت رکھیے لیکن اس کے لیے اپنا مرموز نام بتایا اور شاہ صاحب کو بھی فرمایا کہ آپ اس نام سے خط لکھا کریں۔ فرمایا اپنا اپنا کام

کرنے کا انداز ہے، ہم دونوں ایک ہی کام کر رہے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت! حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سمجھ گئے اور فرمایا کہ ہاں شاہ جی آپ میرے لیے کیا لائے ہیں، شاہ جی نے بتایا تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں کسی کو بھیج کر منگواتا ہوں۔ ایک دو دفعہ کے اصرار و انکار کے بعد حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہی لائیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے خطیب ہیں میں آپ کی چال سے پہچانوں گا۔ اب شاہ صاحب اپنی چال بھول گئے۔ پاؤں رکھتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے بہر حال ٹوکری لائے اور لا کر کھڑے سوچتے ہیں کہ کہاں رکھوں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ خاموش ہیں آپ نے پائینتی کی جانب رکھ دی تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا او ہو شاہ صاحب یہ تو سر پر رکھنے کی چیز تھی، حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کسی ایک موقع پر جب شاہ صاحب کا ذکر چھڑا تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ: ''ان کی باتیں تو عطاء الٰہی ہوتی ہیں''۔ یہاں ضمناً ایک بات ذکر کرتا چلوں کہ حضرت شاہ صاحب بزرگوں کا بہت ادب کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی اللہ والے کے پاس جاؤ تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور لے کر جاؤ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق میں نے تفصیل نہیں پوچھی، آغا شورش نے ''چٹان'' میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب مولانا آزاد کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو مولانا باہر کھڑے تھے اور کہیں جانے کی تیاری تھی لیکن کار میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ مولانا جب کسی عجلت میں ہوتے تھے تو ان کے کندھے جنبش کیا کرتے تھے۔ علیک سلیک کے بعد فرمایا کہ میرے بھائی اس کم بخت کو اسی وقت خراب ہونا تھا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میرے کندھے حاضر ہیں، تو مولانا نے فرمایا کہ میرے بھائی ان پر تو پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔

ایک دفعہ کانگریس کی عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب مولانا آزاد سے ملنے گئے، اندر چٹ بھیجی تو مولانا باہر تشریف لے آئے، شاہ صاحب صوفے پر بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے، مصافحہ ہوا اور شاہ صاحب قالین پر بیٹھنے لگے تو مولانا نے ہاتھ پکڑا، شاہ صاحب نے ابھی اتنا ہی کہا کہ حضرت (یعنی میں قدموں میں بیٹھوں گا) تو مولانا نے فرمایا کہ ''میرے بھائی! وہ بات تو ہوگئی'' بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ میرے تایازاد بھائی کا فون آیا جو علیگ ہیں اور کٹر مسلم لیگی، پوچھا کیا کر رہے ہو؟ میں نے بتایا کہ شاہ صاحب پر مضمون لکھ رہا ہوں تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ کی دو تقریریں سنی ہیں ایک ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں گاؤں میں اور یہ غالباً اسی سن کی بات ہے جب میں نے ان کی پہلی تقریر سنی۔ میری پیدائش ۱۹۳۲ء کی ہے اور ایک ''نکودر'' وہ نکودر ہائی سکول میں پڑھتے تھے۔ اس کا میں نے بھی ذکر کیا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ کا قرآن مجید پڑھنا ایسا تھا کہ ہندو تک مسحور ہو جاتے تھے اور پھر نکودر میں جو تقریر کی اس میں انگریز کے مظالم کا ذکر کیا تو سارا مجمع ہندو مسلم دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

مضمون طویل ہوگیا لیکن ایک دو باتیں مزید سنیے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمتہ اللہ علیہ ناظم جامعہ رشیدیہ کی روایت ہے کہ لاہور میں جمعیۃ علماء ہند کا جلسہ تھا اور احرار رضا کار سرخ وردیاں پہنے جلسہ گاہ میں بطور حفاظت موجود تھے کہ جمعیت کے ایک بزرگ (مولانا مفتی محمد نعیم رحمتہ اللہ علیہ) نے حضرت مدنی سے فرمایا کہ یہ لوگ سرخ قمیصیں پہنے پھر رہے ہیں۔ لوگ

کہیں گے کہ احرار نے جلسہ کروایا۔ جمعیت جلسہ نہیں کرسکتی تھی۔ حضرت ساتھیوں کی رائے کا بہت احترام کرتے تھے فرمایا کہ میں شاہ صاحب کو کہے دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ رضا کاروں سے کہ دیں کہ وہ وردی اتادیں۔ شاہ صاحب جانتے تھے کہ حضرت سے کسی نے کہا ہے ورنہ آپ ازخود ایسی بات نہیں فرماسکتے تاہم ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دل پر جبر کر کے رضا کاروں سے کہا کہ وردیاں اتاردو۔ اس کے بعد جلسہ شروع ہوگیا۔ حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کا خطبہ صدارت تھا آپ مائیک پر آئے ہی تھے کہ مسلم لیگی نوجوانوں کا ایک جم غفیر سٹیج کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب نے فراستاً مفتی صاحب سے کہا کہ جلسہ کا انتظام سنبھالیے اب وہ ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہیں اور پریشان ہیں۔ تب حضرت شاہ صاحب اٹھے اور حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ تشریف رکھیں اور خود کھڑے ہوکر گرجدار آواز میں کہا کہ تمام احرار رضا کار اپنے فرائض سرانجام دینے کے لیے تیار ہوجائیں۔ پھر کہا کہ کوئی رضا کار جلسہ کے اردگرد نظر نہ آئے، تیسری بات یہ کہی کہ جو عنصر شرارتی ہے ان کو میں تنبیہ کرتا ہوں کہ جہاں کھڑا ہے وہاں بیٹھ جائے ورنہ میں اپنے رضا کاروں کو بزن کا حکم دونگا۔ کچھ لوگ آگے بڑھتے رہے اور باقی بیٹھ گئے یا سراسیمہ ہوکر پیچھے ہٹ گئے اب جب کچھ لوگوں کو شاہ صاحب نے کھڑے دیکھا تو احرار رضا کاروں سے کہا کہ اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ بس پھر کیا تھا چار پانچ منٹ میں سب لوگوں کی پٹائی ہوگئی۔ فاضل رشیدی فرماتے تھے کہ شرارتی لوگوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا اور کئی ایک افراد کو موچی دروازے کے ساتھ گندے نالے میں گر پڑنے پر نکالا گیا۔ جن لوگوں کو نکالا گیا ان میں مشہور سیاسی رہنما مولانا عبدالباری بھی تھے جو ان دنوں نوجوان تھے اور قیادت کرنے والوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی وجہ سے احرار رضا کاروں کی ایسی تربیت اور انتظام تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ۱۹۴۰ء سے پہلے لاہور میں جناح صاحب کی ایک تقریر ان کی درخواست پر احرار رضا کاروں نے اپنی حفاظت میں کرائی جبکہ سر فضل حسین وغیرہ جلسے میں گڑ بڑ کرانا چاہتے تھے۔ اسی تنظیم اور مقبولیت کی وجہ تھی کہ سر فضل حسین نے مسجد شہید گنج (۱۹۳۵ء) کا ملبہ احرار پر گرایا۔

حضرت شاہ صاحب مشکل سے مشکل مسئلہ عام دیہاتیوں اور پڑھے لکھے لوگوں کو اس طرح سمجھا دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ معراج پر تقریر کر رہے تھے کہ لمحہ بھر میں سب کچھ کیسے ہوگیا۔ مختلف توجیہات و تشریحات کرتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی روح تھے جب اس روح نے مرکز کی جانب سفر شروع کیا تو ہر چیز اپنی جگہ رک گئی، تھم گئی پھر دیکھا کچھ ان پڑھ دیہاتی لوگ سمجھ نہیں رہے تو فرمایا:

ترے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

(محبوبہ کے لونگ کی چمک پڑی تو ہل چلانے والوں کے ہاتھ ہل چلانے سے رک گئے) اور مسئلہ نظری کی بجائے بدیہی بن گیا اور روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا۔ کوئی تو بات تھی کہ آغا شورش مرحوم جیسا خطیب اکثر دوران تقریر رندھی ہوئی آواز میں آپ کا ذکر کرتا تھا۔ آغا مرحوم لاہور موچی دروازہ ہی میں ایک بہت بڑی اہل حدیث کانفرنس جو خاص پس منظر میں منعقد ہوئی تھی تقریر کر رہے تھے کہ شاہ جی یاد آگئے بے اختیار پنجابی میں کہا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ،

کتھے یاد آ گیوں اج تری بڑی لوڑسی ۔ ترا ایک کالا کوا موچی دروازے میں کائیں کائیں کر رہا ہے۔

''جنگ'' راولپنڈی میں ایک عالم حافظ ریاض احمد اشرفی مرحوم کام کیا کرتے تھے۔ میں ان کی زندگی میں جب بھی پنڈی جاتا تو ان سے ضرور ملتا۔ بہت بڑے عالم خطیب تھے میرا خیال ہے کہ اگر وہ خطابت کو ہمہ وقت اختیار کرتے تو شاید حضرت شاہ صاحب کی خطابت کا کچھ اندازہ ہوسکتا۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا کہ میں ایک دفعہ غلام احمد پرویز کی تقریر سننے گیا۔ پرویز صاحب نے بڑا رورو کر تقریر کی، میں بہت متاثر ہوا اور حضرت شاہ صاحب سے ذکر کیا تو حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا:

''جا او حافظا! صرف رون تو متاثر ہو گیا ایں اور پھر لحن داؤدی میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی **وجاؤا اباھم عشاء یبکون** . یوسف کے بھائی (اس کو کنوئیں میں گرا کر) رات کو روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے''

حافظ صاحب کہتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ آیت پڑھنا تھا کہ میرا دل آئینے کی طرح صاف ہو گیا اور پرویز کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہ رہا۔

ترس گئے ہیں تری دل کشا صدا کے لیے پکار وادیٔ خاموش سے خدا کے لیے

حضرت شاہ صاحب جیسا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کیا کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ فالج ہو چکا ہے، جسم کی توانائی ختم ہو چکی ہے، زبان ساتھ نہیں دیتی پھر بھی راولپنڈی میں (۱۹۵۶ء) مولانا غلام اللہ خاں رحمتہ اللہ علیہ کے جلسہ میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ تقریر بوجوہ ضائع ہوگئی یا کر دی گئی البتہ اس کا سات آٹھ منٹ کا حصہ باقی محفوظ رہ گیا ہے اکثر لوگوں کے پاس ہے میں نے برطانیہ لے جا کر اس کو تھوڑا صاف کرایا لیکن پھر بھی ضعف زبان کی وجہ سے بمشکل سمجھ آتی ہے اور وہ جتنی بھی ہے بوڑھے شیر کی ایسی للکار ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخصیت جب صحت مند ہوگی۔ تو کیا قیامت ہوگی۔ ختم نبوت کا مسئلہ گو ۱۹۷۴ء میں حل ہو گیا لیکن اس کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں امیر شریعت کا سب سے زیادہ کردار ہے۔ آپ نے عوام وخواص میں مرزائیت کو گالی بنا دیا۔ آخری عمر میں آپ کو سوائے ختم نبوت کے کچھ کام نہیں تھا، کچھ یاد نہ تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے انتہائی ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے لیٹے اس مشن کی خاطر تقریریں کیں اور کون کہتا ہے کہ سید بخاری رحمتہ اللہ علیہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ انھی کی لگائی ہوئی آگ تھی کہ جس میں انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا خشک ہو کر جل گیا۔ آپ کے دو مشن تھے، ہندوستان کی آزادی اور مرزائیت کا خاتمہ، الحمدللہ ایک آپ کی زندگی میں پورا ہو گیا اور دوسرے کے متعلق فرمایا کہ میں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ٹائم بم رکھ دیا ہے جو اپنے وقت پر پھٹا اور اس نے مرزائیت کے قلعہ میں شگاف کر دیے۔

مجھے بارہا یہ خیال آیا کہ اگر سید بخاری رحمتہ اللہ علیہ مکہ معظّمہ حاضر ہوتا اور کعبہ کو دیکھتا تو اس کی کیا کیفیت ہوتی اور اس کے بعد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم روضۂ اطہر پر حاضری ہوتی تو اس سید زادے کی کیفیت دیدنی ہوتی۔ آپ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قطعہ کو وہاں جا کر پڑھتے اور درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتے تو در ودیوار وجد میں آ جاتے اور شاید یہ سید وہیں اپنی جان اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیتا لیکن آپ کے پاس پوری زندگی میں کبھی اتنی رقم نہیں آئی کہ آپ پر زکوٰۃ فرض ہوتی، حج کا

سفر تو دور کی بات ہے۔ یاد آیا، ابھی اگلے روز میں جناب احمد ندیم قاسمی کے ہاں گیا تو وہاں مولانا گرامی رحمتہ اللہ علیہ کا دیوان رکھا تھا۔ میں نے اسے دیکھنا شروع کیا کہ معاً شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں کہی گئی رباعی سامنے آ گئی، دیکھئے کتنی برمحل ہے۔

شیخ اکمل آں بخاری مردِ راہ　　حضرت سید عطاء اللہ شاہ
بخودِ آں نازشِ فقرم کہ چید　　میوۂ قُربِ حضور از شاخِ آہ!

میں نے آپ کی آخری زیارت مولانا محمد اکرم کی کوٹھی (ماڈل ٹاؤن لاہور) پر کی اس دن آپ کے استاد حضرت مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ کی کراچی میں وفات ہوئی تھی۔ جناب شیخ حسام الدین مرحوم نے آپ کو یہ خبر سنائی، اس کو سن کر آپ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔ آپ کا جسم ایسا کسرتی اور اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ شاید و باید لیکن حساس بہت تھے اور پھر اپنے جسم و جاں سے اتنا کام لیا کہ اس کو دیکھ کر شیروں کا پتا پانی ہو جائے، ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر آپ اپنے جسم سے اتنا کام نہ لیتے تو آپ کے اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ سو سال سے زیادہ تک جیتے۔ لیکن بات تو وہی ہے جو آپ سے مولانا آزاد نے کہی۔ شاہ صاحب نے مولانا سے کہا کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے یا مل جائے تو مولانا نے فرمایا: میرے بھائی! تھوڑی ہو مگر قرینے کی۔'' سو آپ نے اپنی زندگی ایک مشن میں بتا دی۔ ۲۱؍ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں آپ کی وفات ہوئی۔

ایمرسن کالج گراؤنڈ نے ایسا کثیر اجتماع کسی جنازے میں کاہے کو دیکھا ہوگا۔ آپ کے فرزندِ اکبر مولانا سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اگر آپ کا جنازہ لاہور ہوتا تو اگلے پچھلے سارے ریکارڈ ٹوٹ جاتے۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد، شیخوپورہ اور لاہور سے اتنے لوگ اکٹھے ہوتے کہ دنیا دیکھتی۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے　　جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

رات کو ملتان قاسم باغ میں جلسہ ہوا۔ تمام احرار اکابر نے تقاریر کیں اور مولانا مظہر علی اظہر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا کہ ''امیر شریعت'' نے اس دنیا سے جاتے ہوئے، ہم سب کو ایک دفعہ پھر اکٹھے کر دیا ہے، یہ ان کی بعد از مرگ کرامت ہے''

مجلس احرار اسلام کے قائدین اور عوام سبھی مخلص تھے، دو ایک جو جدا بھی ہوئے تو انھوں نے مجلس یا باقی حضرات کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جو دیانت امانت اور اخلاص یا نظریہ پر حملہ ہو۔ جانبین میں برابر احترام رہا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے:

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری　　نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوش　　قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے　　انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طواف بتاں سے ہے آزاد　　یہ تیرے مومن و کافر تمام زنّاری

☆......☆......☆

ادارہ

مسافرانِ آخرت

● **مولانا وکیل احمد شیروانی رحمتہ اللہ علیہ:** مجلس صیانۃ المسلمین کے روحِ رواں اور ماہنامہ الصیانہ لاہور کے مدیر حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی ۱۷؍جنوری ۲۰۱۶ء کو طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال کر گئے۔

● حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ، محدث کبیر مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمہ اللہ کی بہو اور مولانا عزیز الرحمٰن کی والدہ ماجدہ ۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/ ۲۲؍فروری ۲۰۱۶ء کو کراچی میں انتقال کر گئیں۔

● ممتاز محقق، مصنف و مؤرخ مولانا حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ (سیالکوٹ) کی اہلیہ محترمہ جنوری ۲۰۱۶ء میں انتقال کر گئیں۔

● مجلس احرار اسلام لاہور کے مخلص کارکن سید امجد علی شاہ کی اہلیہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔

● ماہنامہ نقیب ختم نبوت کے قاری اور ہمارے رفیق فکر ملک غلام محمد (ڈھوک نور شاہ، چکڑ الہ) انتقال: ۲۱؍جنوری ۲۰۱۶ء

● **صوفی محمد یوسف رحمہ اللہ:** مجلس احرار اسلام چک نمبر 96WB گڑھا موڑ (ضلع وہاڑی) کے قدیم مخلص کارکن صوفی محمد یوسف صاحب یکم جمادی الاوّل ۱۴۳۷ھ/ ۱۰؍فروری ۲۰۱۶ء بدھ کو انتقال کر گئے۔ مرحوم گزشتہ چالیس سال سے مجلس کے ساتھ وابستہ تھے۔ وہ مجلس احرار اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ جماعت کے ساتھ فکری و نظریاتی اور عملی وابستگی کے سفر میں انھوں نے وفا و ایثار اور خلوص و استقامت کی لازوال مثال قائم کی۔ مرحوم ان کارکنوں میں سے تھے جو جماعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کندھا دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ صوفی محمد یوسف رحمتہ اللہ علیہ کا بیعت کا تعلق جانشین امیرِ شریعت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے تھا۔ ان کی رفاقت و صحبت نے عقیدہ و ایمان کی پختگی کی نعمت سے نوازا۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی رفاقت میں احرار میں کام کیا اور اب حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی قیادت میں احرار میں سرگرم تھے۔ مرحوم ایک مخلص، سادہ اور صالح انسان تھے۔ ان کے فرزند قاری محمد طاہر گڑھا موڑ میں جماعت کے زیرِ انتظام مدرسہ ختم نبوت میں بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے ہیں۔ یہ خدمت یقیناً مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ قائد احرار حضرت سید عطاء المہیمن بخاری، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری، سید عطاء المنان بخاری اور دیگر احرار رہنماؤں نے مرحوم کے لیے مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر کی دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

● **غلام مصطفیٰ عجمی مرحوم:** الہ آباد میلسی ضلع وہاڑی میں ہمارے قدیم مہربان جناب غلام مصطفیٰ عجمی ۴؍فروری ۲۰۱۶ء کو انتقال کر گئے۔ مرحوم لکھنے پڑھنے کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ صحافت سے بھی منسلک رہے، حضرت امیر شریعت کے انتہائی ارادت مند تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

● **ماسٹر غلام یٰسین رحمہ اللہ:** مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کے قدیم ومخلص کارکن اور مرکزی مجلس شوریٰ کے سابق رکن جناب ماسٹر غلام یٰسین ۳۰؍جنوری ۲۰۱۶ء کو تلہ گنگ ضلع چکوال میں انتقال کر گئے۔ ایک ایسا مخلص اور وفادار کارکن جس نے کبھی نام ونمود کی خواہش نہ کی لیکن احرار میں شامل ہوئے تو وقت اور مال دونوں جماعت پر بے دریغ خرچ کیے اور گمنامی میں زندگی تمام کر دی۔ انتہائی صالح، متقی، بے نفس اور ایثار پیشہ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسنات قبول فرمائے اور مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری، ناظم اعلیٰ عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری، مولانا محمد مغیرہ اور میاں محمد اویس نے مرحوم کے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے دعاءِ مغفرت کی اور مرحوم کی دینی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا۔

● مجلس احرار اسلام قاسم بیلہ کے قدیم کارکن نظام دین (مہتمم مدرسہ نعمانیہ تعلیم القرآن ملتان کینٹ) کے بڑے بھائی مولانا محمد یٰسین ۹؍فروری ۲۰۱۶ء انتقال کر گئے۔

● مولانا قاضی عبدالرشید (فیصل آباد) کی بھابی صاحبہ 22 جنوری کو انتقال کر گئیں مرحومہ کی نماز جنازہ چک نمبر 113-7R چیچہ وطنی میں ادا کی گئی، مرحومہ قاری محمد شفیق 113-7R اور قاضی ذیشان آفتاب (مسجد ختم نبوت رحمٰن سٹی چیچہ وطنی) کی عزیزہ تھیں۔

● جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ناظم قاری سعید ابن شہید کے برادر نسبتی قاری محمد عالمگیر ابن حضرت قاری اعزاز النبیؒ ابن شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ 22 جنوری جمعۃ المبارک کو شارجہ میں انتقال کر گئے مرحوم کی نماز جنازہ 25 جنوری کو اوکاڑہ میں ادا کی گئی، یاد رہے کہ مرحوم قاری محمد عالمگیر حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے نواسے تھے، نماز جنازہ میں علماء کرام، دینی رہنماؤں اور کارکنوں کی بہت بڑی تعداد شریک ہوئی، مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری اور دیگر حضرات نے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی ہے، مجلس احرار اسلام اوکاڑہ کے ناظم شیخ مظہر سعید نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور قاری سعید ابن شہید سے تعزیت کا اظہار کیا۔

● چیچہ وطنی جماعت کے امیر چودھری انوار الحق کے والد گرامی حاجی نذیر احمد (رحمانیہ کتب خانہ) 17۔فروری، بدھ کو انتقال فرما گئے۔

● چیچہ وطنی میں ہمارے معاون خصوصی حافظ محمد اشرف مدنی کے برادر خورد محمد اکبر (چک نمبر 42-12 ایل) 20۔فروری، ہفتہ کو انتقال فرما گئے

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی مغفرت فرمائیں، ان کی حسنات قبول فرمائیں اور درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین اور ساری امت کے لیے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

دعاءِ صحت

● سید محمد کفیل بخاری کے والد ماجد حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ صاحب مدظلہ گزشتہ سات ماہ سے شدید علیل ہیں۔ احباب وقارئین ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

یونیک
فاسٹ
ٹریولز اینڈ ٹورز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
تمام ائیرلائینز کی ٹکٹیں سستے ترین ریٹ میں حاصل کریں
نزدیک ترین رہائش
بہترین سروس
عمرہ
گروپ کے ساتھ
کے بہترین پیکج
علماء کرام گروپ کے ساتھ فری عمرہ پیکج حاصل کریں
سعودی عرب
دبئی
ملائیشیا
تھائی لینڈ
سری لنکا
چائینہ
سنگا پور
قطر
فلپائن
ماسکو
عراق
ازبکستان
مسقط
کے ویزٹ ویزے معلومات
مولانا محمد سید ابوبکر
03004002993
03454002993
بھمبر روڈ کوٹلہ گجرات
053-7575174
053-7575175

بولان کا خالص

سرکہ سیب

(ایکسٹرا کوالٹی)

- دل کے بند والوں کو کھولتا ہے۔
- کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
- ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔
- موٹاپے کو کم کرنے کیلئے بہترین دوا ہے۔
- گلے کی خراش اور بلغم ختم کر کے جسم کو صحت مند اور خوبصورت بناتا ہے۔
- رنگت نکھارتا ہے۔

Regd # QA/F/31

BOLAN'S®

Bolan Fruit Products
P.O.Box 285 Quetta
email: bfpq_asif@yahoo.com

تحریک تحفظ ختم نبوت 1953ء کے شہداء کی یاد میں

شہدائے ختم نبوت کانفرنس

دفتر احرار 69/c حسین سٹریٹ وحدت روڈ، نیو مسلم ٹاؤن لاہور

زیر صدارت

ابن امیر شریعت

حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

6 مارچ

2016ء

اتوار

بعد نماز ظہر

زعمأ احرار کے علاوہ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام دینی جماعتوں
کے رہنما اور دانشور خطاب فرمائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

---

27 مارچ 2016ء، اتوار، نماز مغرب

جامع مسجد ختم نبوت

چندرائے روڈ، چونگی امرسدھو، لاہور

خصوصی خطاب

جناب عبداللطیف خالد چیمہ

مرکزی ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان

زیر صدارت

قاری محمد یوسف احرار

مہتمم مدرسہ سیدنا ابی ابن کعب و مسجد ختم نبوت

شعبہ تبلیغ تحفظ ختم نبوت مجلس احرار اسلام لاہور 042-35912644